ISSN 0971. 8338

یوجنا

ستمبر 2016 ترقیاتی ماہنامہ 22 روپے

عورتوں کو بااختیار بنانا

ہندوستانی تناظر میں خواتین کو بااختیار بنانا
کملا بھسین

خواتین کو بااختیار بنانا: سرکاری تناظر
لینا نائر

خواتین کے معاشی اختیارات
ایلا آر بھٹ

بچوں کا منفی صنفی تناسب، ذہنیت اور سرکاری پالیسی
میری ای جون

مرکزی محور
خواتین کے متنوع کردار: سماجی بنیادی ڈھانچے کی ضرورت
دیوکی جین

یوم آزادی پر
خصوصی گوشہ
ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں خواتین کا کردار
ڈاکٹر جیوتی اٹوال
جدوجہد آزادی کی چند شہداء خواتین: مختصر جائزہ

ما (MAA) پروگرام برائے فروغ رضاعت

ماں (ماں کی مکمل شفقت Mothers Absolute Affeclion) سرکار کا ایک اہم بنیادی پروگرام ہے جس کا مقصد عوام میں خصوصاً ماؤں میں رضاعت کے فائدوں کے تئیں بیداری پیدا کرنا ہے۔ یہ پروگرام حال ہی میں شروع کیا گیا ہے۔

''ما'' ماں کی مکمل شفقت ایک ملک گیر پروگرام ہے جو ماؤں کا بچوں کو اپنا دودھ پلانے کی ترغیب دینے اور صحتی نظامات کے ذریعہ رضاعت کے لئے معاون مشاورتی خدمات فراہم کرنے کے مقصد سے شروع کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کا نام ما اس نیت سے رکھا گیا ہے تا کہ دودھ پلانے والی ماؤں کو اہل خانہ سے مطلوبہ حمایت مل سکے اور ان کو رضاعت کے لئے درکار سہولیات میسر ہوسکیں۔ اس 'ما' پروگرام کا اہم جز عوام میں بیداری پیدا کرنا، آشا (ASHA) کے توسط سے لوگوں کے مابین ذاتی مواصلات کو مستحکم کرنا، عوامی صحت خدمات اداروں میں رضاعت کے لئے ہنرمند امداد فراہم کرنا اور نگرانی و اعزاز/ اعتراف کرنا ہیں۔

2013-16 کے درمیان اجولا اسکیم کے تحت 42 کروڑ روپے فراہم کئے گئے جس سے 1815 افراد مستفید ہوئے

وزارت برائے خواتین و بہبود اطفال کے اسکیم 'اجولا' کا خاص مقصد انسان کی اسمگلنگ کی روک تھام اور اس کے متاثرین کو اس لعنت سے پاک کرنے، ان کی بازکارکاری اور سماج میں ان کی دوبارہ شمولیت اور واپسی کے انتظامات کرنا ہے تا کہ ان کو اس جنسی استحصال سے نجات دلائی جاسکے۔ وزارت نے 2013-16 کے درمیان ریاستوں/ مرکز کے کنٹرول علاقوں کو اس اسکیم کے تحت کل 42 کروڑ روپے جاری کئے ہیں اور اس مدت میں 18215 افراد نے اس سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ 2016-17 '30 جون 2016 تک) ریاستوں/ مرکز کے زیرکنٹرول علاقوں کو 143.07 لاکھ روپے کی رقم اجری کی جاچکی تھی۔ اجولا اسکیم کے تحت سرکار کی طرف سے کئے گئے اقدامات میں خواتین اور بچوں کی اسمگلنگ کے خلاف بیداری پیدا کرنے کی غرض سے کمیونٹی نگرانی گروپ کی تشکیل، علاقائی کمیونٹی کی سماج ترغیب اور شراکت، ورکشاپ، سیمیناروں ذرائع ابلاغ اور تشہیری ذرائع ذریعہ مثلاً پمفلٹ، کتابچوں اور پوسٹروں کی تقسیم کے ذریعہ عوام میں بیداری پیدا کرنا شامل ہیں۔

IGMSY کے تحت 2013-16 کے درمیان 800 کروڑ روپے سے زائد جاری، 14.3 لاکھ افراد نے استفادہ کیا

IGMSY کے تحت مرکزی امداد یافتہ کنڈیشنل میٹرنٹی بینفٹ (سی ایم بی) اسکیم کا اطلاق وزارت برائے خواتین و بہبود اطفال کے ذریعہ کیا جارہا ہے۔ اس اسکیم کے تحت 19 برس یا اس سے زائد کی عمر کی حاملہ خواتین یا دودھ پلانے والی ماؤں کو پہلی دو زندہ ولادتوں کے لئے فی کس 6000 روپے کے میٹرنٹی مفادات فراہم کئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ ماں اور بچہ کی صحت سے متعلق چند متعلقہ شرائط پوری کریں۔ آئی جی ایم ایس وائی کا مقصد حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی ماؤں کی صحت اور تغذیہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بنک یا ڈاک خانوں میں ان کے کھاتوں میں نقد مراعات کی منتقلی کے ذریعہ مطلوبہ ماحول فراہم کرنا ہے۔ یہ نقد مراعات حمل کے دوسری سہ ماہی سے شروع ہوکر بچے کی چھ ماہ کی عمر تک جاری رہتی ہے۔ 2013-16 کے درمیان وزارت نے اس اسکیم کے تحت ریاستوں/ مرکز کے زیرکنٹرول علاقوں کے 808 کروڑ روپے جاری کئے ہیں جس سے 1432411 افراد مستفید ہوئے ہیں۔ آئی جی ایم ایس وائی ملک بھر میں 53 چنندہ اضلاع میں نافذ کی گئی ہے۔

وزارت نے آئی جی ایم ایس وائی کے تحت 5 جولائی 2013 سے زچہ کو دینے والے مفادات کو فی کس 4000 سے بڑھا کر 6080 کردیا ہے۔ یہ اضافہ قومی خوراک تحفظ قانون 2013 کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ موجودہ مالی سال کے لئے بجٹ میں 400 کروڑ روپے مختص کئے۔

خواتین کے لئے مساوی مواقع اور کام کاج کے بہتر حالات کے لئے سرکاری اسکیمیں

حکومت نے مساوی اجرت قانون 1976 نافذ کردیا ہے۔ اس قانون کے تحت روزگار کے معاملے میں ایک ہی کام یا ایک ہی نوعیت کے کام کے لئے مردوں اور خواتین کو مساوی اجرت مہیا کرانے اور بھرتی یا سروس کے لئے کسی بھی شرط میں خواتین کے خلاف کسی قسم کی تفریق کو ختم کرنے کا اہتمام ہے۔ اس قانون کا اطلاق مرکز اور ریاستی حکومتیں اپنے حلقوں میں کررہی ہیں۔ متعلقہ سرکار کی طرف سے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے انسپکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہ قانون پورے ملک میں نافذ العمل ہے۔ کام کاج کے مقامات پر خواتین کا جنسی استحصال (روک تھام امتناع اور سدباب) قانون 2013 کا نفاذ عمل میں آ گیا ہے جس کا مقصد خواتین کو ان کے کام کرنے والی جگہوں پر محفوظ ماحول فراہم کرنا ہے۔ وزارت برائے خواتین و بہبود اطفال گھر سے باہر کام کرنے والی خواتین کو محفوظ رہائش مہیا کرانے کی غرض سے ورکنگ وومن ہوسٹل اسکیم کو زیر عمل لارہی ہے۔ اس کے علاوہ ایسی خواتین کے بچوں کے لئے کریش (CRECH) سہولیات مہیا کرانے کے لئے راجیو گاندھی قومی کریچ اسکیم پر بھی وزارت عمل پیرا ہے۔ ان اقدامات کے علاوہ میٹرنٹی بینفٹ قانون 1961 کے تحت زچگی کے لئے اور بچوں کی نشو ونما کے لئے ماں اور باپ کو چھٹی دینے کا اہتمام ہے تا کہ روزگار پالیسیوں کو خاتون ملازمین کے تئیں زیادہ حساس بنایا جاسکے۔

☆☆☆

1SSN 0971. 8338

ترقیاتی ماهنامه

یوجنا

نئی دہلی

ستمبر 2016 خواتین کو بااختیار بنانا

☆ چیف ایڈیٹر کے قلم سے	اداریہ	4
☆ ہندوستانی تناظر میں خواتین کو بااختیار بنانا	کملا بھسین	5
☆ خواتین کو بااختیار بنانا: سرکاری تناظر	لینا نائر	10
☆ خواتین کے معاشی اختیارات	ایلا آر بھٹ	14
☆ بچوں کا منفی صنفی تناسب	میری ای جون	17
☆ خواتین کے متنوع کردار	دیوکی جین	20
☆ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں خواتین کا کردار	ڈاکٹر جیوتی اٹوال	23
☆ ہندوستان میں اسکولی تعلیم کا صنفی سیاق وسباق	شیلندر شرما/ششی رنجن جھا	26
☆ ستی سے لے کر میری کوم تک: حق کے لئے لڑائی جاری ہے	گیتا لوتھرا	32
☆ خواتین کو بااختیار بنانا ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر سبھاش شرما	40
☆ صفائی ستھرائی اور لڑکیوں کو بااختیار بنانا	دانش	44
☆ بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ: لڑکیوں کو بااختیار بنانے کی انوکھی پہل	سبطین کوثر	46
☆ کیا آپ جانتے ہیں؟	واٹیکا چندرا	48
☆ قابل تجدید توانائی: ہماری لئے قدرت کا عظیم عطیہ	تائبہ تسکین	50
☆ بڑھتے قدم	ادارہ	53

چیف ایڈیٹر:

دیپیکا کچھل

ایڈیٹر

ڈاکٹر ابرار رحمانی

011-24365927

سرورق: جی پی دھوپے

جلد:36 شمارہ 6

قیمت: 22روپے

جوائنٹ ڈائریکٹر (پروڈکشن):

وی کے مینا

سالانہ خریداری اور رسالہ نہ ملنے کی شکایت کے لئے رابطہ:

بزنس مینیجر:

فون: 24367260-pdjucir@gmail.com,

جرنلس یونٹ، پبلی کیشنز ڈویژن، وزارت اطلاعات ونشریات، روم نمبر 53-48، سوچنا بھون، سی جی او کمپلیکس، لودھی روڈ، نئی دہلی۔110003

مضامین سے متعلق

خط کتابت کا پتا:

ایڈیٹر یوجنا (اردو) 601-E، سوچنا بھون، سی جی او کمپلیکس، لودھی روڈ، نئی دہلی-110003

ای میل: yojana.urdu@yahoo.co.in

ویب سائٹ: www.publicationsdivision.nic.in

www.yojana.gov.in

● **یوجنا** اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، آسامی، گجراتی، کنڑ، ملیالم، مراٹھی، تمل، اڑیہ، پنجابی، بنگلہ اور تیلگو زبان میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔☆ نئی ممبر شپ، ممبر شپ کی تجدید اور ایجنسی وغیرہ کے لئے منی آرڈر، ڈیمانڈ ڈرافٹ، پوسٹل آرڈر، 'اے ڈی جی پبلی کیشنز ڈویژن (منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ) کے نام درج ذیل پتے پر بھیجیں: بزنس منیجر یوجنا (اردو)، پبلی کیشنز ڈویژن، وزارت اطلاعات ونشریات، روم نمبر 53-48، سوچنا بھون، سی جی او کمپلیکس، لودھی روڈ، نئی دہلی۔110003 فون: 24367260,24365609,24365610

زرسالانہ: 230 روپے، دوسال: 430 روپے، تین سال: 610 روپے ☆ یوروپ اور دیگر ممالک کے لیے (ایئر میل سے) 730 روپے۔

☆ اس شمارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، ضروری نہیں کہ یہ خیالات ان اداروں، وزارتوں اور حکومت کے بھی ہوں، جن سے مصنفین وابستہ ہیں۔

یوجنا منصوبہ بند ترقی کے بارے میں عوام کو آگاہ کرتا ہے مگر اس کے مضامین صرف سرکاری نقطۂ نظر کی وضاحت تک محدود نہیں ہوتے۔

چیف ایڈیٹر کے قلم سے

یوجنا

خواتین کو بااختیار بنانا

ترقی کے لئے خواتین کو بااختیار بنانے سے زیادہ موثر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔خواتین کی صلاحیتوں کے اعتراف کے لئے اس حقیقت سے صرف نظر ممکن نہیں ہے۔ایسا کوئی شعبہ نہیں ہے جہاں خواتین نے معرکہ نہ سر کیا ہو،خواہ وہ روایتی کردار ہو یا جدید رول۔ماں کے طور پر خواتین مستقبل کے انسانوں کی پیدائش اور نشو ونما کی ذمہ داری ازل سے سنبھالتی چلی آرہی ہیں۔بیٹی، بہن اور بیوی کے طور پر خواتین نے مختلف طریقوں سے مردوں کی مدد کی ہے۔زمانے کے لحاظ سے ان کے کردار میں بھی جدت پیدا ہوئی ہے اور وہ معلم، منیجر، سیاسی قائد وغیرہ ہر قسم کا کردار نبھا رہی ہیں۔گزشتہ دنوں جنسی حدود کو عبور کرتے ہوئے انہوں نے کوہ پیمائی اور طیارہ اڑانے کے علاوہ مسلح افواج میں جنگی کردار کی ذمہ داری بھی سنبھال لی ہے۔

البتہ خواتین کے لئے ایسے حالات ماضی میں نہیں تھے۔قدیم زمانے میں مرد کے بغیر خاتون کا کوئی تصور نہیں تھا۔وہ صرف ایک بیٹی، بیوی یا ماں ہوا کرتی تھی۔وہ کبھی خاندانی کردار میں نظر نہیں آتی تھی۔اس کی زندگی پر ہمیشہ مرد کا تسلط رہتا تھا، چاہے وہ باپ ہو، بیٹا یا پھر شوہر۔اس کو فیصلہ سازی میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی۔یہی صورت حال مغربی سماج میں بھی تھی جہاں خواتین کو بہت پہلے حق رائے دہی حاصل ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی تقریباً ایک صدی کی جدو جہد کے بعد خواتین کو جائداد میں حصہ، حق رائے دہی، شادی اور روزگار کے معاملوں میں مساوی شہری حقوق حاصل ہوسکے۔

آزادی کے بعد آئین سازوں اور قومی رہنماؤں نے خواتین کے سماجی وقار کو مردوں کے مساوی سمجھا۔اس کے بعد آنے والی حکومتوں نے معاشی، سیاسی اور سماجی شعبوں میں خواتین کو مساوی درجہ دلانے کے لئے متعدد اقدامات کئے۔ان کی صلاحیتوں اور قومی سرگرمیوں میں شرکت کے لئے ان کے احساس کے پیش نظر ان کو متعدد مواقع فراہم کئے گئے۔ قانونی، سیاسی اور سماجی طور پر آزادی کی خاطر گزشتہ دسیوں برسوں میں خواتین کے لئے پارلیمنٹ میں مختلف قوانین وضع کئے گئے اور مرکزی و ریاستی حکومتوں کی طرف سے متعدد اسکیمیں نافذ کی گئیں۔

تعلیم کے حصول نے خواتین کو زیادہ بااختیار بنادیا ہے اور جہاں جہاں خواتین تعلیم یافتہ ہیں، وہاں خواتین زیادہ تیزی سے بااختیار بن رہی ہیں۔ان اختیارات کی وجہ سے خواتین شادی، بچوں کی پیدائش اور کیریئر کے بارے میں خود فیصلے کرنے لگی ہیں۔تعلیم نے ان کو شادی کی دنیا سے باہر دستیاب مواقع سے بھی روشناس کرایا ہے جس سے ان کو مالی خود مختاری نصیب ہوئی ہے اور ان کا زندگی میں ''مرد پر انحصار'' کم ہوا ہے، چاہے یہ شخص ان کا باپ ہو یا ان کا شوہر۔اس کو اب خانگی تشدد یا ذہنی استحصال برداشت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔وہ اب اپنے حمل اور اسقاط حمل کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

صحت ہی ایک ایسا شعبہ ہے جہاں خواتین کو پریشانی لاحق ہے۔بیشتر خواتین صحت کی سہولیات کے لئے نہ تو وقت نکال پاتی ہیں اور نہ ہی ان کا مزاج اس کا متحمل ہوتا ہے۔دیہی علاقوں میں گھر پر بیت الخلا جیسی بنیادی سہولت بھی خواتین کو دستیاب نہیں ہے۔اس صورت حال کے پیش نظر خواتین کی صحت کو سرکاری پالیسیوں میں ترجیح دی گئی ہے۔حکومت نے اس سلسلے میں بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ، جننی ششو سرکشا کاریہ کرم جیسے پروگرام شروع کئے ہیں۔

ہندوستان میں خواتین کے وقار میں کمی کی ایک وجہ اکیلی عورت کے تئیں سماج کا ناروا رویہ بھی ہے، چاہے وہ عورت بیوہ ہو مطلقہ ہو یا غیر شادی شدہ، سماج میں عورت کا اکیلے رہنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔اکیلی خاتون ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنی رہتی ہے یا اس کو سماج سے نکال دیا جاتا ہے۔اس صورت حال میں اب تبدیلی آرہی ہے۔اگر چہ اس کی رفتار سست ہے۔آج کی خاتون زمانہ قدیم کی خاتون سے بہت مختلف ہے۔آج کی خاتون بہت سے شعبوں میں قائم حدود کو پار کرلیا ہے۔ان میں سے چند ہیں اروندھتی بھٹا چاریہ، اندرا نوئی، کرن مجمدار، شاوا اور چندا کوچر۔حال ہی میں بھاؤنا کامتھ، آوانی چترویدی اور موہانا سنگھ نے ہندوستانی فضائیہ میں کمیشن حاصل کیا ہے اور آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ 2015 کے یوم جمہوریہ کے موقع پر بری، فضائیہ اور بحری تینوں افواج کی کلی طور پر خواتین پر مشتمل فوجی دستہ نے عظیم راج پتھ پر مارچ کیا۔یہی وہ کامیابی ہے جو ایک بااختیار خاتون حاصل کرسکتی ہے۔یہ خواتین وزیر اعظم کے اس نظریے کی علامت ہیں جو خواتین کی ترقی سے آگے سوچتے ہیں اور اس کو خواتین کی قیادت میں ترقی سے منسوب کرتے ہیں۔

دنیا کی آدھی آبادی خواتین پر مشتمل ہے، اسی لئے ان کو زندگی کے ہر حلقے میں مردوں کے مساوی برتاؤ کا حق حاصل ہے۔آٹھویں الفیہ ترقی اہداف میں خواتین کو بااختیار بنانے کے ہدف کی شمولیت سے اس حقیقت کی عکاسی ہوتی ہے۔سوامی وویکانند کا یہ مقولہ کہ ''جب تک خواتین کی صورت حال اور اس کے وقار میں بہتری نہیں ہوگی، دنیا کی اصلاح ممکن نہیں۔چڑیا کے لئے ایک پر سے اڑنا ممکن نہیں ہے'' خاندان ہی کی نہیں بلکہ قوم اور دنیا کی بھی رہنمائی کرنے کی خواتین کی قوت کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔

کملا بھسین

ہندوستانی تناظر میں

خواتین کو با اختیار بنانا

ہندوستان دنیا میں خواتین کے لئے سب سے زیادہ نامساعد جنسی تناسب کا حامل ہے۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین کی صحت، غذائیت اور تعلیم کی سطحیں کافی کم ہیں۔خواتین کو زیادہ تر کم ہنر والے اور کم ادائیگی والے کاموں میں لگایا جاتا ہے۔مردوں کے مقابلے میں انہیں کم اجرتیں ملتی ہیں نیز ان کی کم آمدنی ہوتی ہے۔وہ مشکل سے ہی جائیداد اور پیداواری ذرائع کی مالک ہوتی ہیں یا ان پر ان کا شاید ہی کنٹرول ہوتا ہے۔

بیشتر ملک آج صنفی مساوات اور خواتین کو با اختیار بنائے جانے کے معاملے کو کنبوں، برادریوں اور قوموں کی ترقی اور بہبود کے لئے لازمی سمجھتے ہیں۔کوئی بھی قوم، سماج اور کنبہ اس صورت میں پھل پھول نہیں سکتا ہے اور خوش نہیں رہ سکتا ہے، اگر اس کی 50 فی صد آبادی، یعنی خواتین اور لڑکیاں آزاد اور خوش نہیں ہیں نیز ان کی عزت نہیں کی جاتی۔

صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں خواتین کے ساتھ امتیاز برتا گیا ہے، تمام سطحوں پر فیصلہ سازی کے عمل میں انہیں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ انہیں نظر انداز اور الگ تھلگ کیا گیا ہے نیز انہیں اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں۔اس کی وجہ سردار خاندان کے نظام کا رواج ہے۔ یہ ایک ایسا سماجی نظام ہے جس میں مردوں کو عورتوں سے اعلی سمجھا جاتا ہے نیز جس میں وسائل، فیصلہ سازی اور نظریات پر مردوں کا زیادہ کنٹرول ہوتا ہے۔سردار خاندان کے نظام میں خواتین کے ساتھ تشدد اس نظام کا ایک حصہ ہے۔خواتین پر تشدد یا تشدد کی دھمکی سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق ہر تین خواتین میں سے ایک خاتون تشدد سے دوچار ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ارب سے زیادہ عورتیں اور لڑکیاں تشدد سے دوچار ہوتی ہیں۔ یہ سب سے بڑی لڑائی ہے جو دنیا میں چل رہی ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس لڑائی کے سب سے زیادہ واقعات کنبے کے اندر ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں خواتین تمام نظام مراتب میں سب سے نچلی سطح پر ہیں

ہندوستان میں خواتین کے بارے میں عام تصور قائم کرنا درحقیقت مشکل کام ہے۔اس کی وجہ ان کے درمیان وسیع فرق کا ہونا ہے۔ان کا تعلق مختلف طبقوں، ذاتوں، مذہب، فرقوں سے ہوتا ہے۔تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیشتر خواتین سردار خواتین خاندان کے نظام کے ڈھانچوں اور نظریات سے متاثر ہوئی ہیں۔ وہ صنفی عدم مساوات اور ماتحتی سے دوچار ہوتی ہیں۔سماجی اور انسانی ترقی کے تمام مظاہر میں خواتین اپنے مردوں سے پیچھے ہیں۔ ہندوستان دنیا میں خواتین کے لئے سب سے زیادہ نامساعد جنسی تناسب کا حامل ہے۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین کی صحت، غذائیت اور تعلیم کی سطحیں کافی کم ہیں۔خواتین کو زیادہ تر کم ہنر والے اور کم ادائیگی والے کاموں میں لگایا جاتا ہے۔مردوں کے مقابلے میں انہیں کم اجرتیں ملتی ہیں نیز ان کی کم آمدنی ہوتی ہے۔وہ مشکل سے ہی جائیداد اور پیداواری ذرائع کی مالک ہوتی ہیں اور/یا ان پر ان کا شاید ہی کنٹرول ہوتا ہے۔خاتون کی سربراہی والے کنبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے نیز وہ ہمارے ملک میں غریب ترین میں سے ہیں۔سیاسی اور سماجی فیصلہ سازی کے عمل میں خواتین کی شرکت بے انتہا کم ہے۔ پارلیمنٹ میں خواتین کی شرکت کبھی بھی 10 فی صد سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ انہیں قانونی اختیار میں

مصنف ترقیاتی امور میں سرگرم ہیں۔
kamla@sangatsouthasia.org

شامل نہیں کیا جاتا ہے۔ان سماجی، اقتصادی، قانونی، سیاسی قواعد وضوابط کی تشکیل کے سلسلے میں ان کی بہت کم رائے شامل ہوتی ہے جو ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں نیز انہیں مغلوب رکھتے ہیں۔

سب میں نہیں بلکہ ہندوستان کے زیادہ تر حصوں میں لڑکیاں محرومیوں، بوجھ اور خوف میں رہتی ہیں۔ وہ نظرانداز کئے جانے، امتیاز کئے جانے، گھر کے کام کاج کا بوجھ، چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کرنے کا بوجھ، گھر سے باہر کام کرنے کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔لڑکیاں ڈر اور خوف میں رہتی ہیں۔حمل گرائے جانے کا ڈر، زہر دیئے جانے کا ڈر،نظرانداز کئے جانے کا ڈر،مرنے دیئے جانے کا ڈر، کافی محبت، دیکھ بھال،تغذیہ،طبی توجہ،تعلیم نہ ملنے کا ڈر۔ ہماری بیٹیاں جنسی آبروریزی کے ڈر کے ساتھ بھی رہتی ہیں جن میں برے برتاؤ سے لے کر زنا بالجبر تک شامل ہیں۔سخت تر اور بہتر قوانین کے منظور کئے جانے کے بعد بھی وحشیانہ اجتماعی زنا بالجبر کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔شادی کے بعد وہ تنہائی، عدم مطابقت، ذہنی اور جسمانی اذیت کا سامنا کرتی ہیں۔

خواتین کی تحریک کے ذریعے پیدا کئے گئے دباؤ نیز حکومتوں اور سول سماج کی تنظیموں کے ذریعے کئے گئے اقدامات کے نتیجے میں خواتین کے سلسلے میں درحقیقت کچھ مثبت تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر صنفی بیداری میں اضافہ ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں خواتین کی ماتحتی کا اعتراف کیا جاتا ہے اور چیلنج کرنے کی ضرورت کو سبھی کے ذریعے تسلیم کیا جاتا ہے۔عورتوں کے ساتھ تشدد کئے جانے کا اعتراف کیا جاتا ہے اور اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ فیصلہ سازی کرنے والے تمام اداروں میں خواتین کی شرکت کو اہم سمجھا جاتا ہے۔خواتین کے لئے کچھ قانونی اہتمام میں ان کے تعلیم اور روزگار کے مواقع میں بہتریاں آئی ہیں۔ پالیسی بیانات صنفی طور سے زیادہ حساس بن گئے ہیں۔سرکاری اور غیر سرکاری ترقیاتی ایجنسیوں اور پروگراموں میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ پنچایتی راج کے اداروں میں خواتین کی شرکت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔صنفی امور دیکھنے کی غرض سے ہماری حکومتوں نے خواتین کے دفاتر، کمیشن، محکمے اور/یا وزارتیں قائم کی ہیں۔تاہم صنفی مساوات حاصل کرنے کے لئے ابھی ہمیں ایک طویل سفر طے کرنا ہے۔

بااختیار بنانا ایک متحرک اور سیاسی عمل

صنفی مساوات کی سمت آگے بڑھنے کے لئے ہمیں اس صنف کو بااختیار بنانا ہوگا جسے کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے یعنی خواتین اور لڑکیاں کسی کو بااختیار بنانے کے لئے اختیار کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اختیار آزادی سے اور آزادانہ طور سے اقدامات کرنے کی صلاحیت یا اہلیت ہے۔ یہ دوسروں کو کنٹرول کرنے یا انہیں پر اثر ڈالنے کی صلاحیت ہے۔اختیار کا مطلب خودمختاری، آزادی، خود اپنے انتخابات کرنا، اہمیت رکھتا ہے۔

انسانی سماجوں میں اختیار وسائل اور نظریے پر کنٹرول سے حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو وسائل اور نظریے (عوام کی سوچ، عقیدے کے نظام وغیرہ) کو کنٹرول کرتے ہیں۔ کنبوں، برادریوں اور ملکوں کے فیصلہ ساز اور کنٹرولر بنتے ہیں۔

لہٰذا خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے سردار خاندان کی سوچ اور اس نظام کے ڈھانچوں میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہوگی، خواتین کو وسائل (قدرتی، انسانی، ذہنی، مالی، اندرونی وسائل) پر کنٹرول دینا ہوگا، انہیں فیصلہ سازی کے عمل میں شامل کرنا ہوگا وغیرہ۔

میرے لحاظ سے خواتین کو بااختیار بنانے سے ہماری زندگیوں میں صرف اسی صورت میں بہتری آئے گی، اگر اختیار کا ہمارا تصور اختیار کے موجودہ تصور سے مختلف ہے۔

ہمارے لئے بااختیار بنانے کے مطلب دوسروں پر اختیار، ہمارے حصے سے زیادہ کنٹرول کرنے کا اختیار نہیں ہوسکتا ہے۔اس کا مطلب خود اپنے لالچ، حرص، تشدد کو کنٹرول کرنے کا اختیار، دوسروں کی دل جوئی، دیکھ بھال، تعلیم کا اختیار، انصاف، اخلاقیات کے لئے لڑنے کا اختیار، دانش مندی اور جذبۂ رحم پیدا کرنے والی اندرونی طاقت حاصل کرنے کا اختیار ہونا چاہئے۔

خواتین کو بااختیار بنانا ایک عمل ہے جو جاری اور متحرک دونوں ہے نیز جو ان ڈھانچوں اور نظریات کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں خواتین کی صلاحیت میں اضافہ کرتا ہے جو انہیں تابع رکھتے ہیں۔ یہ عمل انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ وسائل اور فیصلہ سازی کے عمل تک زیادہ رسائی اور اس پر کنٹرول حاصل کریں۔خود اپنی زندگیوں پر زیادہ کنٹرول حاصل کریں نیز زیادہ خودمختاری حاصل کریں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو خواتین کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خودداری اور وقار کی حامل ہوں، جس سے ان کی اپنی شبیہ اور سماجی شبیہ بہتر بنے۔

بااختیار بنانے کا عمل ایک سیاسی عمل ہے کیوں کہ اس کا مقصد خواتین اور مردوں کے درمیان اختیار کے موجودہ تعلقات میں تبدیلی لانا ہے۔

خواتین کو بااختیار بنانے کا مطمح نظر محض یہ ترتیب مدارج تعلقات میں تبدیلی لانا نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی ہونا چاہئے بلکہ سماج میں بہ ترتیب مدارج تمام تعلقات یعنی، طبقے، ذات، نسل، خاندان، نیز شمال۔ جنوب تعلقات میں تبدیلی لانا ہونا چاہئے۔ چوں کہ صنفی تعلقات خلا میں کام نہیں کرتے ہیں کیوں کہ ان کا تعلق تمام دیگر اقتصادی، سماجی اور سیاسی نظاموں سے ہوتا ہے اور وہ ان سے اثر انداز ہوتے ہیں، اس لئے دیگر نظاموں اور سلسلہ ہائے مدارج کو تبدیل کئے بغیر صنفی سلسلہ ہائے مدارج تبدیل نہیں کئے جاسکتا ہیں۔

خواتین کو بااختیار بنانے کا عمل قدرت کے بااختیار بنائے جانے کے عمل، تمام نظرانداز اور الگ تھلگ کردہ لوگوں اور ملکوں کو بااختیار بنانے کے عمل سے علاحدہ نہیں ہے اور نہ ہی اسے علاحدہ کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ خواتین کی جد و جہدوں اور تحریکوں کو سماج کو جمہوری اور لامرکزی بنانے کی تحریکوں، انسانی حقوق کی تحریکوں، کارکنوں اور کسانوں کی تحریکوں، ماحولیاتی تحریکوں اور امن کی تحریکوں سے قریبی طور سے وابستہ کئے جانے کی

ضرورت ہے۔ یہ مختلف تحریکیں ایک سی جد و جہد کے مختلف پہلو، ایک سے خواب کے مختلف حصے ہیں۔ چناں چہ ان کے درمیان ٹھوس رابطے اور اشتراک عمل ہونے کی ضرورت ہے۔

میری رائے ہے کہ خواتین کو بااختیار بنانے کی بات کرتے ہوئے ہمیں نسوانی سوچ اور نظریے کو بااختیار بنانے، مساوات، انصاف، جمہوریت اور پائیداری جیسے اصولوں کو بااختیار بنانے کے بارے میں بھی بات کرنی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس لحاظ کے بغیر کہ ان کا موقف کیا ہے، تمام خواتین کی حمایت نہیں کرتے ہیں۔ ہم خاتون مختار کل، خاتون سردار خاندان، ان خواتین کی حمایت نہیں کرتے ہیں جو ذات اور سردار خاندان کے نظام کو فروغ دیتی ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ خواتین ہیں۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ خواتین بھی سردار خاندان اور غالب ہونے والی ہوسکتی ہیں نیز یہ کہ کچھ مرد سردار خاندان کے نظام اور سلسلہ مدارج کے دیگر نظاموں سے لڑنے کے سلسلے میں ہمارے ساجھے دار ہوسکتے ہیں۔ ہماری لڑائی کچھ اصولوں کے لئے اور ایک ایسے سماج کے لئے ہے جس میں تمام عورتیں اور مرد معاش حاصل کرنے، ترقی کرنے، شرکت کرنے کے یکساں مواقع کے حامل ہوں۔

محض خواتین کو ہی نہیں بلکہ خواتین کے تناظروں کو بھی بااختیار بنانے کی ضرورت ہے کیوں کہ خواتین محض ایک علاحدہ شعبہ نہیں ہیں۔ خواتین کی تشویشات، تناظر اور تصورات ہر ایک معاملے میں ضروری ہیں، خواہ وہ فوجی نظام کے ماتحت لانے کا معاملہ ہو، انسانی حقوق کا معاملہ ہو یا پائیدار ترقی کا معاملہ ہو۔ ہر ایک معاملہ خواتین کا معاملہ ہے۔

تمام سطحوں پر اور تمام شعبوں میں خواتین کو بااختیار بنایا جانا ہے، اگر اس معاملے کو مضبوط بننا اور دور تک پھیلنا ہے نیز اہم بننا ہے۔ نچلی سطح کی خاتون سرگرم اراکین، درمیانی سطح کی سرگرم اراکین، حکومت میں خواتین، ذرائع ابلاغ میں خواتین، خاتون سیاست دانوں، خاتون ماہرین تعلیم، خاتون فن کاروں، خاتون صنعت کاروں وغیرہ کے درمیان موثر نیٹ ورکنگ کی ضرورت ہے۔ ہمیں چھوٹی سطح پر کام کرنے والی خواتین اور بڑی سطح پر کام کرنے والی خواتین کے درمیان نیٹ ورکنگ کی ضرورت ہے۔ ہمیں تمام سطحوں پر ہمدرد مردوں کی مدد اور حمایت کی بھی ضرورت ہے۔

خواتین کو بااختیار بنانا ایک طرفہ عمل نہیں ہے جس میں کچھ سرگرم اراکین جاسکتے ہیں اور دوسروں کو بااختیار بنا سکتے ہیں۔ یہ ایک دوطرفہ عمل ہے جس میں ہم بااختیار بناتے ہیں اور بااختیار بنتے ہیں۔ کوئی بھی اچھے کے لئے بااختیار نہیں بن سکتا ہے اور پھر دوسروں کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں ایک ماہر نہیں بن سکتا ہے۔

خواتین کو بااختیار بنانے کے معاملے کو کثیر جہتی اور مربوط بنانا ہوگا۔ اس عمل میں درج ذیل میں سے کچھ کو یا سب کو شامل کیا جاسکتا ہے:

☆ سماج کے لئے خواتین کے تعاون کو قابل دید بنانا یعنی یہ دکھانا کہ خواتین بچوں کی ولادتیں کرنے والوں اور گھر چلانے والوں کے علاوہ کسان، مزدور، دست کار، پیشہ ور افراد وغیرہ بھی ہیں۔ ان کو پیداوار کے کام میں ہمیشہ ہی شامل کیا جاتا رہا ہے، نیز جی ڈی پی کے لئے ان کا تعاون ہمیشہ ہی بڑا رہا ہے۔ وہ خود زندگی کو جنم دینے والی، قدرتی وسائل کی منتظمین وغیرہ ہیں۔

☆ خواتین اور سماج کو اس معلومات، صلاحیتوں اور ہنرمندیوں کا اعتراف کرانا، جن کی حامل خواتین تھیں اور اب بھی ہیں، خاص طور سے زراعت، صحت، دست کاریوں وغیرہ کے شعبوں میں۔

☆ ایک ایسا سماجی ماحول پیدا کرنا جس سے خواتین کو عزت نفس اور خود اعتمادی ملے۔

☆ لڑکیوں اور خواتین کے لئے مواقع فراہم کرنا تاکہ وہ اپنی بھرپور صلاحیت کو سمجھ سکیں نیز ان کے پاس انتخابات ہوں اور انہیں صرف کچھ روایتی کرداروں اور پیشوں میں دھکیلا نہ جائے۔ انہیں ایسی تعلیم دینا، جو انہیں گھریلو بنانے کی بجائے بااختیار بنائے۔

☆ خواتین کو خود اپنی زندگیوں کے بارے میں فیصلے کرنے کے قابل بنانا، آیا شادی کرنی ہے، کب اور کسی سے کرنی ہے، آیا بچے پیدا کرنے ہیں اور کب کرنے ہیں، آیا مطالعہ کرنا ہے اور کیا مطالعہ کرنا ہے۔ کنبے کے امور، برادری اور قومی امور کے بارے میں فیصلے کرنے کے لئے بھی۔ تمام سطحوں پر خواتین کی سیاسی شرکت میں اضافہ کرنا۔

☆ لڑکیوں اور خواتین کی حقیقی ضروریات، کنبے کے اندر اور باہر ان کی حیثیت، ان کے حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں خواتین اور مردوں میں بیداری پیدا کرنے میں سہولت بہم پہنچانا۔

☆ خواتین کو سہولیات اور وسائل دستیاب کرانا تاکہ وہ خوراک، کپڑوں، گھر کی اپنی بنیادی ضرورت نیز صحت اور سیکورٹی کے سلسلے میں اپنی خصوصی ضروریات پوری کرسکیں۔

☆ پیداوار، جائیداد اور دیگر وسائل کے ذرائع تک رسائی اور ان پر کنٹرول نیز آمدنی پر کنٹرول حاصل کرنے کے سلسلے میں خواتین کی مدد کرنا۔

وہ امور جن پر خصوصی توجہ اور کوششوں کی ضرورت ہے

کچھ شعبوں کے بارے میں بتانا اہم ہے جو خواتین کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں اہم ہیں لیکن جن پر ماضی میں مناسب توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ان شعبوں کا بہت فکر اور اختیار سے جائزہ لئے جانے کی ضرورت ہے نیز ان سے نمٹنے کے لئے موثر حکمت عملیاں وضع کرنی ہوں گی۔

جائیداد اور دیگر پیداواری وسائل پر خواتین کا کنٹرول نہ ہونا خواتین کی کمتر حیثیت ہونے کی ایک اہم وجہ ہے۔ اس کی وجہ سے خواتین ہر وقت اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں۔ اپنی کتاب ''خود اپنا ایک شعبہ: جنوبی ایشیا میں صنف اور زمین کے حقوق'' میں بینا

اگروال نے بہت ہی باور کرانے والے انداز میں دلالت کی ہے کہ جائیداد کی ملکیت اور اس پر کنٹرول کے سلسلے میں صنفی فرق وہ واحد سب سے اہم عنصر ہے، جس سے خواتین کی معاشی بہبود، سماجی حیثیت اور انہیں بااختیار بنانے کا معاملہ اثر انداز ہو رہا ہے۔ اس امر پر فوری طور سے تمام سطحوں پر توجہ دیئے جانے کی ضرورت ہے۔

مفید روزگار تک رسائی کی کمی ایک اور اہم معاملہ ہے۔ جب کہ زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ کون نقد پیسہ لاتا ہے، خواتین کو تعلیم حاصل کرنے اور ہنرمندیوں کو فروغ دینے کے مواقع سے محروم رکھا جاتا ہے کہ وہ نقد پیسہ لاسکیں اور مفید طور سے ملازمت کرسکیں۔ خواتین کے گھریلو کام کی قدر نہیں کی جاتی ہے اور اگر وہ نقد پیسہ نہیں لاتی ہیں تو ان کی قدر ختم ہو جاتی ہے، انہیں ایک بوجھ ایک ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ پروفیسر امرتیہ سین اور پروفیسر جین ڈیریز کے ذریعے کی گئی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ باہر کے کام میں زیادہ سے زیادہ شمولیت اور ادائیگی والے روزگار کی وجہ سے اندرونی کنبہ جاتی تقسیم کے سلسلے میں خواتین کے خلاف کم تعصب برتا جاتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے تجویز کیا ہے کہ ''مفید'' معاشی سرگرمی میں خواتین کی شرکت کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں ایک مادی عنصر ہے۔ ہندوستان میں ہم نے خواتین کے لئے آمدنی پیدا کرنے والی سرگرمیوں کے بارے میں بہت بحث اور گفتگو کی ہے لیکن بیشتر بحثوں اور گفتگو سے خواتین کو کوئی مدد نہیں ملی ہے۔ انہوں نے خواتین کی آمدنی میں زیادہ اضافہ کئے بغیر ان کے کام کے بوجھ میں اضافہ کر دیا ہے۔

کنبے اور بچوں کی پرورش کے کام کاج کی ساجھے داری ایک اور شعبہ ہے جسے دیکھے جانے کی ضرورت ہے کیوں کہ اس شعبے میں خواتین کی زیادہ سے زیادہ ماتحتی پائی جاتی ہے۔ خواتین ہر وقت کام کرتی ہیں۔ انہیں فرصت ہی نہیں ملتی ہے، پڑھنے اور ترقی کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے۔ یہ خواتین کی مساوات اور انہیں بااختیار بنانے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ خواتین کی محنت مشقت میں صرف اسی صورت میں کمی لائی جاسکتی ہے، اگر کنبے کے دیگر لوگ ان کے کام میں ساجھے داری کرتے ہیں۔ لڑکوں اور مردوں کو ماں والے کاموں، دیکھ بھال کرنے، پرورش کرنے کی سرگرمیوں میں ساجھے داری کرنی چاہئے تاکہ خواتین کو آرام کرنے کا وقت مل سکے، وہ خود اپنے لئے وقت نکال سکیں، وہ دیگر دلچسپیوں کو فروغ دے سکیں۔ خواتین کی جنسی کشش پر کنٹرول ایک اور شعبہ ہے جس کے بارے میں مطالعہ کرنے، اسے سمجھنے اور اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جلد شادیاں، پردہ، خواتین کی نقل و حرکت پر پابندیاں، جو سب خواتین کی جنسی کشش کو کنٹرول کرنے کے طریقے ہیں، لڑکیوں اور خواتین کی آزادی اور خود مختاری کے لئے شدید نتائج کی حامل ہیں۔ ایک اور اہم شعبہ جس پر توجہ دی جانی ہے نظریے کا شعبہ ہے جو سردار خاندان کے نظام کے ڈھانچوں، رواجوں اور رویہ جاتی طریقوں کو بجا ثابت کرتا ہے اور اسے دوام بخشتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کتنے جنس پرست اور خواتین مخالف رہے ہیں اور ہیں۔ خواتین کے بارے میں ذرائع ابلاغ کی شبیہوں کو بدلنے کے لئے کافی کام کیا جاچکا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے معاملات صرف بدتر بنے ہیں۔

مذہب بھی سردار خاندان کے نظریے کا ایک خالق ہے۔ مذہبی متن اور کہانیاں، مذہبی اور ثقافتی، رسم و رواج کو بھی، جو مردوں کی برتری کی تبلیغ کرتے ہیں اور اسے بجا ثابت کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ چیلنج کئے جانے کی ضرورت ہے جتنا کہ ہم نے ماضی میں کیا ہے۔ یہ درحقیقت ایک ایسا شعبہ ہے جس میں ہمیں محتاط طور سے قدم رکھنا چاہئے لیکن ہمیں اس میں قدم ضرور رکھنا چاہئے۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں راتوں رات تبدیلی نہیں آئے گی لیکن اگر ہم اس کے بارے میں خاموش رہتے ہیں تو اس میں کبھی بھی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جو مذاہب، ذات، طبقہ صنفی نظام مراتب کو بجا ثابت کرتے ہیں، انہیں موجودہ زمانے اور وقت میں غیر تنقیدی طور پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان مذہبی قوانین اور رواجوں کو چیلنج کئے جانے کی ضرورت ہے جو ہمارے آئین کے خلاف جاتے ہیں جو خواتین کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرتے ہیں۔ ہم اسے بہت ہی حساس کام کے سلسلے میں کیا کرتے ہیں اور یہ کام کیسے کرتے ہیں، اس پر فکر و احتیاط سے تبادلۂ خیالات کئے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں منصوبہ بنائے جانے کی ضرورت ہے تاکہ جذبات کو مجروح کرنے اور اس پر ردعمل کے اظہار سے بچا جائے۔

خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے تعلیم

خواتین کو تعلیم درحقیقت خواتین کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہم جزو اور مداخلت ہے، بشرطیکہ اس تعلیم کا مواد اور طریقہ کار دونوں خواتین حامی ہوں۔

تعلیم کی وہ قسم جس کی ہمیں ضرورت ہے

ہمیں معلومات اور علم حاصل کرنے کے سلسلے میں خواتین کو تعلیم دینے کی ان جاری کوششوں کو مستحکم کرنا ہوگا نیز ان میں اضافہ کرنا ہوگا جن سے انہیں سردار خاندان علم، معیارات، اقدار، رویہ جاتی طریقوں کو چیلنج کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ہمیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جس سے خواتین کو نہ صرف لفظ پڑھنے اور سمجھنے، بلکہ دنیا کو جاننے، سمجھنے اور کنٹرول کرنے میں بھی مدد ملے گی، جس سے خواتین کو نہ صرف تین آر پر قدرت حاصل کرنے بلکہ خود اپنی زندگیوں کی مالک اور اپنی قسمتوں کی خالق بننے میں مدد ملے گی۔ ہمیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہے، جس سے خواتین کو زندگی کو تیزی سے بدلتی ہوئی حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے ضروری تجزیاتی ہنرمندیاں حاصل کرنے میں مدد ملے گی، جس سے ان میں یہ اعتماد اور طاقت پیدا ہوگی کہ وہ ظلم اور ذلت کے حالات کے آگے جھکنے سے انکار کردیں۔ اگر ہم خواتین کے لئے خواندگی کی کلاس راست بازی میں اضافہ کرنے کے لئے بنیاد بن جاتی ہیں۔ ان سے مضبوط گروپ بنانے کے سلسلے میں خواتین کو مدد ملنی چاہئے تاکہ اپنی زندگیوں پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول حاصل کرسکیں۔ ان سے انہیں اپنی خاموشی توڑنے نیز نمایاں بننے میں مدد ملنی چاہئے۔ ان کلاسوں کو ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہئے جس سے خواتین کو زیادہ سے زیادہ آزادی ملے جس سے خواتین کو اپنی بھرپور انسانی صلاحیت کا پورا پورا اندازہ لگانے اور اسے بروئے کار لانے کے زیادہ سے زیادہ مواقع ملیں۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے تعلیم کے معاملے کو اجتماعی اقدام اور اظہار کا ایک

جاری عمل بنانا ہوگا۔ ہماری تعلیمی کوششوں کی بنیاد خواتین کی موجودہ معلومات اور ہنرمندیوں پر رکھی جانی چاہیئے۔ ان سے خواتین میں بھرپور اعتماد پیدا ہو جاہیئے نیز ان میں سے ہر ایک کی بہترین صلاحیتیں نکل کر باہر آنی چاہئیں۔

خواتین کی تعلیم کے طریقہ کار کو اشتراکی اور غیر نظام مراتب بنانا ہوگا۔ خواتین کو خود اپنا ایجنڈا اور ترجیحات طے کرنے نیز پڑھنے کی خود اپنی رفتار مقرر کرنے کے کام میں شامل کیا جانا چاہیئے۔ تعلیمی نظام سے انہیں اپنے بارے میں اچھا محسوس کرنا چاہیئے۔ ان میں اعتماد اور خود داری پیدا ہونی چاہیئے۔ ان کی تخلیقی صلاحیت آشکار ہونی چاہیئے۔ انہیں اپنے آپ کو مستعد اور خوش وخرم محسوس کرنا چاہیئے یعنی ایک لفظ میں انہیں بااختیار بنا چاہیئے۔

ہمیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہے، جس سے نہ صرف نئی ہنرمندیوں اور معلومات کی تلاش اور حصولی کے سلسلے میں مدد ملے بلکہ شرکاء کو دبے کچلے گروپوں میں انصاف، مساوات، ایمان داری، سچائی اور باہمی اتفاق جیسی اقدار حاصل کرنے نیز انہیں مستحکم بنانے کے سلسلے میں بھی مدد ملے۔ اس سے خواتین میں قوت عمل بھی پیدا ہونی چاہیئے تاکہ وہ مختلف سطحوں پر اپنی مختلف لڑائیوں کے سلسلے میں یقین کلی اور حوصلے کے ساتھ کام کر سکیں۔

ہمیں ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جس سے خواتین میں زیادہ مقابلہ آرائی اور ہوس نہیں پیدا ہوگی بلکہ جس سے ان میں بھروسہ اور باہمی اتفاق پیدا ہوگا۔ اس سے انہیں مختلف سطحوں پر انجمنیں اور نیٹ ورک تشکیل دینے کے سلسلے میں مدد ملنی چاہیئے۔

اس سے خواتین کو ان کے اطراف حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے ایک تجزیاتی اور استفساری ذہن بنانے نیز ایک سائنسی نظریہ پیدا کرنے میں مدد ملنی چاہیئے۔ اس سے ان کو چھوٹی اور بڑی حقیقتوں کے درمیان، چھوٹی حقیقتوں اور بڑی پالیسیوں کے درمیان، مقامی اور عالمی کے درمیان تعلق کو سمجھنے میں مدد ملنی چاہیئے۔ صرف اعادہ کرنے کے لئے خواتین کو بااختیار بنانے کے کام کو انسانی اقدار سے بااختیار بنانے کے ساتھ ساتھ انجام دیا جانا چاہیئے۔ صرف تب ہی ہمارے اطراف زیادہ مساوات، انصاف اور امن ہوگا۔

خواتین کو بااختیار بنانے کا کام صرف اسی صورت میں تیز رفتاری سے انجام پائے گا جب مرد اس بات کو سمجھیں گے کہ یہ کام مردوں کے لئے بھی اچھا رہے گا نیز یہ کنبوں اور قوموں کے لئے بھی اچھا رہے گا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ معیاری لوگ مساوات سے خوف زدہ نہیں ہوتے ہیں۔

☆☆☆

سینٹرل بورڈ آف ڈائریکٹ ٹیکسیز نے قیمتوں کے پیشگی تعین کے باہمی معاہدے پر دستخط کیئے

☆ سینٹرل بورڈ آف ڈائریکٹ ٹیکسیز نے جاپان کی تجارتی کمپنی کی ہندوستانی شاخ کے ساتھ قیمتوں کے پیشگی تعین (اے پی اے) کے باہمی معاہدے پر دو اگست 2016 کو دستخط کیئے۔ واضح ہو کہ جاپانی کمپنی کی ساتھ قیمتوں کے پیشگی تعین کا یہ پہلا معاہدہ ہے جس میں قیمتیں واپس لئے جانے کی دفعہ بھی شامل ہے۔ مجموعی طور پر یہ سینٹرل بورڈ آف ڈائریکٹ ٹیکسیز کے ذریعہ قیمتوں کے پیشگی تعین پر کیا جانے والا یہ چوتھا باہمی معاہدہ ہے، اور اسے کثیر ملکی کمپنی کے قیمتوں کے تعین کی منتقلی اور تنازعات کے حل کے لئے اہم تصور کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اے پی اے اسکیم انکم ٹیکس ایکٹ میں 2012 میں شامل کی گئی تھی اور اعلان شدہ قیمتیں واپس لئے جانے کا ضابطہ 2014 میں شامل کیا گیا تھا۔ اے پی اے کی اسکیم کی ترقی سے سرکار کے تجارت دوست نظام میں استحکام پیدا کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی سینٹرل بورڈ آف ڈائریکٹ ٹیکسیز کو امید ہے کہ مستقبل قریب میں ایسے مزید اے پی اے معاہدوں پر دستخط اور عمل آوری کی جائے گی۔

توانائی کی اثر انگیزی کے حصول کے لئے ایک نادر قدم: این ای ایف پی اور این ای اے پی پی اسکیم

☆ کوئلہ، نئی اور قابل تجدید توانائی اور کانوں کے محکمے کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) جناب پیوش گوئل نے لوک سبھا کے ایک سوال کے تحریری جواب میں بتایا کہ بجلی کے شعبے کے چار سرکاری اداروں کی ایک مشترکہ کمپنی انرجی ایفی شی اینسی سروسز لمیٹیڈ نے گھریلو اور زراعت کے شعبوں میں توانائی کی اثر انگیزی میں اضافے کے لئے، انرجی ایفی شی اینسی فینس پروگرام (ای ای ایف پی) اور انرجی ایفی شی اینسی پمپس پروگرام کے نام سے چار انتہائی جدت طراز پروگرام شروع کیئے ہیں۔ جناب گوئل نے ان پروگراموں کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا کہ پی ای ایف پی پروگرام آندھرا پردیش سے شروع کیا گیا ہے بعد میں اسے اتر پردیش سے بھی شروع کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت ای ای ایس ایل نے 50 واٹ کے فین دستیاب کرائے ہیں۔ یہ پمپ ایک ہزار 150 روپے فی یونٹ کی ابتدائی ادائیگی یا قسطوں پر 1200 روپے کی ادائیگی پر دستیاب کرائے جائیں گے۔ اس کی ماہانہ قسط صارفین کے بجلی کے بلوں میں منہا کر دی جائے گی۔ اب تک آندھرا پردیش اور اتر پردیش میں علی الترتیب ایسے 9 ہزار اور 50 ہزار پمپ دستیاب کرائے جا چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ای ای ایس ایل نے تری پورہ میں توانائی کی اثر انگیزی والے فینس کی تقسیم کیلئے تری پورہ کی سرکار کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط بھی کیئے ہیں۔ جناب گوئل نے مزید بتایا کہ ای ای ایس ایل نے کسانوں کے پرانے اور بے کار پمپ سیٹوں کو مفت میں بدلنے کے لئے ای ای اے پی پی کی اسکیم شروع کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ای ای ایس ایل کی جانب سے کسانوں کے ذریعہ پمپوں کے استعمال میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے اسمارٹ کنٹرول پینل بھی مہیا کرائے جائیں گے۔ چار یا پانچ اسٹار کی ریٹنگ کے ساتھ توانائی کی اثر انگیزی والے پمپ 30 فیصد تک توانائی کی کمی کو یقینی بناتے ہیں۔ زراعت کے شعبے میں توانائی کی کھپت میں ہونیوالی کمی کے نتیجے میں اس رعایت کی مقدار میں بھی کمی ہوگی جو ریاستی سرکار کی جانب سے تقسیم کار کمپنیوں کو دی جاتی ہے۔

لینا نائر

خواتین کو بااختیار بنانا: سرکاری تناظر

صنفی مساوات کا اصول ہندوستانی آئین میں اس کی تمہید، بنیادی حقوق، بنیادی ذمہ داریوں اور عمومی احکامات میں محفوظ ہیں۔ آئین نہ صرف خواتین کو مساوات کا حق دیتا ہے بلکہ ریاست کو خواتین کے حق میں اقدامات کرنے کا اختیار بھی تفویض کرتا ہے۔ مساوات اور ہمہ جہت ترقی کے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے خواتین اور بچوں (جو ہمارے ملک کی مجموعی آبادی کا 70 فیصد سے زائد ہیں) کو بااختیار بنانے اور نگہداشت کے لئے ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔ مختلف قوانین بنائے اور ترمیم کئے جارہے ہیں اور ٹھوس نتائج کے حصول کے لئے منصوبے، پالیسیاں اور پروگرام تیار کئے گئے ہیں تاکہ خواتین کی زندگیوں پر مثبت اثرات مرتب ہوں۔

چونکہ خواتین کو بااختیار بنانا ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس کے بیشمار اشارے ہیں، اس مقالہ میں حکومت کے ان کلیدی اقدامات کا ذکر کیا گیا ہے جو خواتین کی اقتصادی نیز سماجی تبدیلی کے لئے کئے جارہے ہیں۔ خواتین کو بااختیار بنانے کا مقصد اسی وقت حاصل کیا جاسکتا ہے جب خواتین کی صحت، تعلیم، تحفظ اور سلامتی بشمول مالیاتی سلامتی کی صورت حال بہتر ہوجائیں۔

صحت

ہندوستان کی بہت بڑی آبادی بالخصوص غریب اور محروم افراد کو معیاری اور سستا ہیلتھ کیئر فراہم کرنا حکومت ہند کے لئے ایک مشکل کام ہے۔ 2005 سے نیشنل رورل ہیلتھ مشن (این آر ایچ ایم)، جس کا نام تبدیل کرکے اب نیشنل ہیلتھ مشن کردیا گیا ہے، بہتر انفرااسٹرکچر، دوائیں اور آلات نیز دیہی علاقوں میں مختلف سطحوں پر صحت کے اداروں میں انسانی وسائل فراہم کرکے، ہیلتھ کیئر سروس کی ترسیل کو بہتر بنانے میں اہم رول ادا کررہا ہے۔

زندگی کی بقا کے اشاروں کی بہتری کے لئے صحت اولین شرط ہے، اس لئے صحت خدمات تک رسائی میں اضافہ ترجیحات میں شامل رہنے چاہئیں۔ ہندوستان میں حاملہ خواتین کا قلت تغذیہ ایک بڑا چیلنج ہے اور یہاں کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی (35.6)فی صد کا باڈی ماس انڈکس (بی ایم آئی) کم ہے۔ اسی طرح قلت تغذیہ سے خواتین کی بہت بڑی تعداد متاثر ہیں۔ ہندوستان میں ہر تیسری عورت قلت تغذیہ کا شکار ہے اور ہر دوسری عورت میں خون کی کمی سے دوچار ہے۔ ماؤں اور بچوں کے قلت تغذیہ کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ملک بھر میں انٹیگریٹیڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ سروسز (آئی سی ڈی ایس) اسکیم کو نافذ کیا گیا ہے اور اسے مستحکم کیا جارہا ہے۔ آئی سی ڈی ایس ابتدائی بچپن کے لئے دنیا کا سب سے بڑا اور منفرد آؤٹ ریچ پروگرام ہے اور چودہ لاکھ آنگن واڑی مراکز کے ذریعہ ملک کے تمام اضلاع اور بلاکوں کا احاطہ کرتا ہے اور ہندوستان کی 1.9 کروڑ حاملہ اور دودھ پلانے والی ماؤں اور چھ برس سے کم عمر کے 8.4 کروڑ بچوں کی تغذیاتی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ زچہ اور بچہ صحت خدمات کی فراہمی کے لئے آؤٹ ریچ پروگرام کے طور پر دیہی علاقوں میں ولیج ہیلتھ اور نیوٹریشن ڈے منعقد کئے جاتے ہیں۔

زچگی شرح اموات (ایم ایم آر) کی رفتار کو کم کرنے کی کوششوں کو تیز کرنے کے لئے حکومت نے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہیں: جننی سرکشا یوجنا۔ جس کے تحت ادارہ جاتی زچگی کو فروغ دیا جاتا ہے۔ جننی ششو سرکشا کاریہ کرم (جے ایس ایس کے)۔ جس کے تحت سرکاری اسپتالوں میں بغیر آپریشن اور آپریشن دونوں طرح کی زچگی بالکل مفت کرائی جاتی ہے۔ ماں اور بچہ تحفظ کارڈ، جس کے تحت تمام حاملہ ماؤں اور بچوں کو فراہم کی جانے والی خدمات پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ ماں اور بچہ ٹریکنگ سسٹم، جس کے تحت بچے کی پیدائش سے قبل، پیدائش کے دوران اور پیدائش کے بعد دیکھ بھال اور ٹیکہ کاری کو یقینی بنایا جاتا ہے اور میٹرنل ڈیتھ ریویو (ایم ڈی آر) جس کے تحت زچگی دیکھ بھال کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے تمام سطحوں پر مناسب اور اصلاحی اقدامات کئے جاتے ہیں۔ ان تمام اقدامات میں قابل تعریف پیش رفت ہوئی ہے اور زچگی کے دوران شرح اموات جو 2007-09 میں فی لاکھ 212 تھی وہ

مصنفہ وزارت خواتین و بہبود اطفال میں سکریٹری ہیں۔
secy.wcd@nic.in

2010-12 میں گھٹ کر 178 ہوگئی۔

تازہ ترین این ایف ایچ ایس 4 (16-2015) کے اعداد و شمار مطابق جو تیرہ ریاستوں کے سلسلے میں جاری کئے گئے ہیں، یہ بات پائی گئی ہے کہ حمل اور بچوں کی پیدائش کے دوران خواتین کو بہتر سہولیات فراہم کرنے سے ماؤں کی شرح اموات میں کمی اور بچوں کے زندہ رہنے کی تعداد میں بہتری آئی ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ خواتین زچگی کے لئے اسپتالوں میں جاتی ہیں اور چند ریاستوں میں گذشتہ دہائی میں یہ تعداد دوگنا ہوچکی ہے۔ نیشنل ہیلتھ پالیسی 2015 کے مسودہ میں بھی خواتین کی صحت کی ضرورتوں بالخصوص تولیدی اور بچوں کی صحت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اس میں مردوں کی نسبندی کے اہداف کو بڑھانے اور مانع حمل کے طریقوں کے استعمال کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا ہے۔

تعلیم

خواتین کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے تعلیم سب سے بہتر قدم ہے اور تعلیم کے فوائد کو کم کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ معیاری تعلیم فراہم کرنے اور مناسب اسکل کو فروغ دینے کے لئے حکومت ابتدائی اور سیکنڈری تعلیم اور اعلی تعلیمی اداروں کے ذریعہ بہت سے پروگرام نافذ کر رہی ہے۔ تمام بچوں کو مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم فراہم کرنے کے لئے تعلیم کا حق (آر ٹی ای) قانون 2009 کو اپریل 2010 میں نافذ کیا گیا تھا۔ پرائمری اور اپر پرائمری سطح پر ہر ایک کی تعلیم تک رسائی کے لئے سروسکشا ابھیان (ایس ایس اے) شروع کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ملک کے دیہی اور شہری دونوں ہی علاقوں میں اسکولوں میں لڑکیوں کے اندراج میں زبردست اضافہ ہوا اور ڈراپ آوٹ کی شرح میں کافی کمی آئی۔ ڈی آئی ایس ای 13-2012 کی رپورٹ کے مطابق قومی سطح پر جنڈر پیریٹی انڈکس پرائمری سطح پر 1.0 اور اپر پرائمری سطح پر 0.95 ہے۔ گوکہ ایس ایس اے کی وجہ سے سب کو پرائمری تعلیم تک رسائی میں کافی مدد ملی ہے تاہم معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ درجہ اول اور دوم کے طلبہ کے پڑھنے، لکھنے، زبان دانی اور میتھ میٹکس کو عالمی میعار کے مطابق بنانے کے لئے پڑھے بھارت بڑھے بھارت کے نام سے ایس ایس اے کا ایک ملک گیر ذیلی پروگرام شروع کیا گیا۔ اس مہم کا مقصد ہر اسکول کے لئے 200 کام کے دنوں میں 800 گھنٹوں تک تعلیم و تعلم کو یقینی بنانا ہے۔ ودیانجلی (اسکول رضا کار پروگرام) ایس ایس اے کے تحت ایک اور پہل ہے جس کا مقصد ملک بھر میں حکومت کی طرف سے چلائے جا رہے ابتدائی اسکولوں میں کمیونٹی اور پرائیوٹ سیکٹر کی شراکت کو بڑھانا ہے۔ یہ پروگرام اس لئے شروع کیا گیا ہے تاکہ جو لوگ رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات اسکولوں کو دینا چاہتے ہیں انہیں اس کا موقع فراہم کیا جائے۔

ایس ایس اے کی کامیابی کے نتیجے میں ملک میں سیکنڈری تعلیم کے لئے مانگ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ 18-14 سال کے عمر گروپ کے تمام بچوں کے لئے سیکنڈری تعلیم تک رسائی کے لئے اور تعلیم کے میعار کو بہتر بنانے کے لئے راشٹریہ مادھیامک سکشا ابھیان 2009 میں شروع کیا گیا۔ اس کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کئے جاسکتے ہیں کیوں کہ 2001 سے 2011 کے درمیان خواتین کی شرح خواندگی 65.38 سے بڑھ کر 74.04 فی صد ہوگئی۔ سی بی ایس ای نے بھی اسکولی طالبات کے لئے اڑان کے نام سے ایک خصوصی اسکیم شروع کی۔ یہ لڑکیوں کی سرپرستی اور اسکالرشپ کی اسکیم ہے جس کا مقصد انجینئرنگ کالجوں میں لڑکیوں کی کم شرح اندراج کے مسئلے کو حل کرنا اور سینئر سیکنڈری سطح پر میتھ میٹکس اور سائنس میں ان کی صلاحیت کو بہتر بنانا ہے۔ اس کے لئے آن لائن وسائل مفت فراہم کئے جاتے ہیں۔

گوکہ اعلی تعلیم کی ہمہ جہت ترقی کے لئے راشٹریہ اچتر سکشا ابھیان (آر یو ایس اے) کو نافذ کیا گیا، حکومت نے پردھان منتری ودیالکشمی کاریہ کرم کے تحت اعلی تعلیم کے خواہش مند طلبہ کے لئے ودیالکشمی کے نام سے ایک ویب پورٹل (www.vidyalakshmi.co.in) بھی شروع کیا ہے۔ ودیالکشمی اپنی طرح کا واحد پورٹل ہے جہاں طلبہ بینکوں سے قرض کے علاوہ سرکاری اسکالرشپ کے سلسلے میں بھی معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

حالاں کہ ہندوستان میں خواتین تمام شعبوں میں اعلی عہدوں پر فائز ہیں اور اعلی تعلیم میں نئی بلندیاں سر کر رہی ہیں تاہم صنفی امتیاز اب بھی جاری ہے۔ نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو صنفی لحاظ سے حساس بنانے اور ان میں مثبت سماجی قدریں پیدا کرنے کے لئے ملک بھر کے کالجوں میں جنڈر چمپئن کی خدمات حاصل کی جارہی ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس ضمن میں تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں اور کالجوں کو نوٹیفکیشن جاری کیا ہے اور ان کے نفاذ کے لئے گائیڈ لائنس بھی دیئے ہیں۔

تحفظ اور سلامتی

صنفی مساوات کو یقینی بنانا اور خواتین کے خلاف امتیازی سلوک اور تشدد پر قابو پانا جامع سماج اور ترقی کے ہمارے قومی حصول کا لازمی حصہ ہے۔ حکومت نے خواتین اور لڑکیوں کے خلاف ہر طرح کے تشدد کے خاتمے کا عزم کر رکھا ہے اور اس سے متعلق متعدد قوانین بنائے ہیں۔ خاتون متاثرین کی حمایت کرنا اور اس امر کو یقینی بنانا کہ پولیس اور دیگر ایجنسیاں تشدد سے متاثرہ خاتون کو تحفظ فراہم کریں، حکومت کے اپروچ کا بنیادی جز ہے۔ عصمت دری اور جنسی تشدد کے معاملے میں حکومت اس امر کو یقینی بنا رہی ہے کہ متاثرہ خاتون کی بات سنی جائے اور اسے انصاف تک رسائی حاصل ہوسکے۔

صنف کی بنیاد پر تشدد کے معاملات کو حل کرنے اور خواتین کو کام اور روز مرہ زندگی کے دوران محفوظ ماحول فراہم کرنے کے لئے حکومت نے حال ہی میں جو قانون سازی کی ہے ان میں کریمنل لا (ترمیمی) قانون 2013 شامل ہے۔ جس میں عصمت درج جیسے جرائم کے لئے سزاؤں کو مزید سخت کیا گیا ہے اور جنسی تشدد اور ہراسانی کی تعریف کو زیادہ وسیع کر دیا گیا ہے۔ تیزاب کا حملہ، جنسی ہراسانی، عورتوں کو گھورنا، انہیں بے لباس کرنا جیسے معاملات کو تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا ہے۔ اس قانون میں تشدد سے متاثرہ خواتین کو فوری راحت فراہم کرنے کے لئے سرکاری افسران بشمول ہیلتھ کیئر فراہم کرنے والوں کا زیادہ احتساب کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ایک اور قانون کام کے مقامات پر خواتین کو جنسی طور پر

ہراساں کرنا (تدارک، روک تھام اور ازالہ) قانون 2013 بنایا گیا ہے، جس کا مقصد خواتین کے لئے کام کے لئے محفوظ ماحول کو یقینی بنانا ہے۔ ان قوانین کے علاوہ پہلے سے موجود دیگر قوانین مثلاً گھریلو تشدد سے خواتین کا تحفظ قانون 2005 بھی ہے، جس کا مقصد گھر کے اندر خواتین کو ہر طرح کے تشدد سے حفاظت فراہم کرنا ہے۔ بچہ شادی کی روک تھام قانون 2006 کے تحت بچوں کی شادی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔ جنسی جرائم سے بچوں کا تحفظ قانون 2012 کا مقصد بچوں کو جنسی جرائم سے حفاظت کرنا ہے۔ پری کنسیپشن اینڈ پری نیٹل ڈائیگو نیسٹک ٹیکنک ایکٹ (پی سی اینڈ پی این ڈی ٹی) 1994 کا مقصد رحم مادر میں جنس کی تشخیص پر روک لگانا ہے۔ جوینائل جسٹس ایکٹ 2015 میں بچوں کو مناسب دیکھ بھال، تحفظ اور علاج کو یقینی بنایا گیا اور بچوں کے لئے مناسب اپروچ اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ میٹرنیٹی بینفٹ (ترمیمی) بل 2016 میں جسے راجیہ سبھا نے منظور کر دیا ہے، ورکنگ خواتین کے لئے زچگی چھٹی کو بارہ سے بڑھا کر 26 ہفتے کر دیا گیا ہے۔ اس سے ہندوستان میں خواتین افرادی قوت کی تعداد میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

خواتین کے تحفظ اور بازآبادکاری کے لئے حکومت نے نربھیا فنڈ قائم کیا ہے جس کے تحت 2000 کروڑ روپے کے پندرہ تجاویز کو اب تک منظوری دی جا چکی ہے۔ ان میں تشدد کا شکار خواتین کو ایک ہی مقام (ون اسٹاپ سینٹر) پر طبی سہولت، پولیس کی مدد، قانونی مشورہ، کورٹ کیس مینجمنٹ، نفسیاتی اور سماجی کاونسلنگ، اور عارضی رہائش فراہم کی جاتی ہے۔ ہنگامی اور غیر ہنگامی خدمات کے لئے 24 گھنٹے خواتین ہیلپ لائن موجود ہے۔ ملک کے تمام تھانوں میں خواتین کے خلاف جرائم کے لئے تفتیشی یونٹ (آئی یو سی اے ڈبلیو) قائم ہے۔ ٹرینوں میں سیکورٹی کو مضبوط کرنے کے لئے تمام کوچوں میں سی سی ٹی وی کیمرے لگائے جارہے ہیں۔ نیشنل ایمرجنسی ریسپانس سسٹم، سنٹرل وکٹم کمپنسیسن فنڈ (سی وی سی ایف) کا قیام، خواتین اور بچوں کے خلاف سائبر کرائم کی روک تھام وغیرہ جیسے پروگرام شروع کئے گئے ہیں۔ کثیر شعبہ جاتی بیٹی بچاو بیٹی پڑھاو پروگرام کا مقصد بھی ہندوستان میں بچیوں کے روشن مستقبل اور بہبود کو یقینی بنانا اور گرتی ہوئی چائلڈ سیکس ریشیو کے مسئلے پر قابو پانا اور خواتین کی عدم اختیاری کے معاملے کو درست کرنا ہے۔ بی بی پی پروگرام کے نتیجے میں لڑکیوں کو فروغ دینے کے درجنوں مقامی پروگرام شروع ہو چکے ہیں۔ اس پروگرام کے حوصلہ افزا نتائج کو دیکھتے ہوئے اسے ابتدائی 100 اضلاع سے بڑھا کر کم سی ایس آر والے مزید 61 اضلاع میں بھی نافذ کر دیا گیا ہے۔ تشدد سے متاثرہ خواتین کو راحت فراہم کرنے والے دیگر پروگراموں میں وکٹم کمپنسیسن اسکیم، سوادھار اور شارٹ اسٹے ہوم اسکیم شامل ہیں۔

پولیس فورس میں خواتین کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے مرکز کے زیر انتظام علاقوں اور کئی ریاستوں کی پولیس فورس میں خواتین کے لئے 33 فی صد ریزرویشن کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ پولیس فورس کو صنفی طور پر حساس بنانے کے لئے متعدد اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان میں تربیتی پروگرام، کارکردگی کا جائزہ اور خواتین پولیس اسٹیشن شامل ہیں۔ اتنا ہی نہیں خواتین کے تئیں پولیس فورس کو حساس بنانے کے لئے کئی نئی پالیسیاں، پروٹوکول اور آپریشنل پروسیجر بھی تجرباتی بنیاد پر شروع کئے گئے ہیں۔ ریاست اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی سطح پر مہیلا پولیس والنٹیرس (ایم پی وی) کی تقرری کا عمل بھی شروع کر دیا گیا ہے، اس کا مقصد زمینی سطح پر خواتین اور پولیس کے درمیان رابطہ قائم کرنا ہے۔ ایم پی وی کا بڑا کام یہ ہوگا کہ خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات کی رپورٹ اپنے پڑوسی تھانہ میں کریں گی۔

مالیاتی سلامتی

ان چیلنجز کے باوجود ہندوستان میں لاکھوں لاکھ خواتین پرانی رکاوٹوں کو توڑ رہی ہیں اور اپنی قسمت خود سنوار رہی ہیں۔ مہاتما گاندھی نیشنل رورل ایمپلائمنٹ گارنٹی اسکیم (منریگا) اور نیشنل رورل لائیولی ہڈ مشن (این آر ایل ایم) کے ذریعہ ہزاروں دیہی خواتین کو ذریعہ معاش فراہم ہو رہا ہے جس سے وہ اقتصادی لحاظ سے محفوظ، خود کو زیادہ با اختیار بنا رہی ہیں، اسی کے ساتھ اس سے دیہی اثاثہ بھی تیار ہو رہا ہے۔ خواتین کو معیشت کے دھارے میں شامل کرنے کی ایک اور مثال راشٹریہ مہیلا کوش (آر ایم کے) ہے، جو بالخصوص غریب خواتین کے لئے کام کر رہا ہے اور انہیں مستقل فنڈ فراہم کر رہا ہے اور مارکیٹ سے جوڑنے میں مدد کر رہا ہے۔ اس طرح کی خواتین انٹرپرینورس اور سیلف ہیلپ گروپوں کو فروغ دینے کے لئے آر ایم کے نے ایک اسٹارٹ اپ پہل کے طور پر مہیلا ای ہاٹ شروع کیا ہے جہاں خواتین انٹرپرینورس کی خواہشات اور ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ ڈیجیٹل انڈیا کے تحت اس ویب پر مبنی مارکیٹنگ سے خواتین کو عالمی مارکیٹ تک رسائی اور بزنس کمیونٹی نیز خواتین انٹرپرینورس کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ مالیاتی شمولیت اس حکومت کی اہم ترین ترجیحات میں سے ایک ہے۔ پردھان منتری جن دھن یوجنا نے لاکھوں خواتین کو اپنا پہلا بینک اکاونٹ کھولنے میں مدد دے کر ان کے اندر اعتماد پیدا کیا ہے اور غربت اور قرض کے چکر سے نکلنے کا ایک راستہ فراہم کیا ہے۔ گیٹس فاونڈیشن کی تیسری سالانہ سروے کے مطابق اب 47 فی صد خواتین کے پاس پی ایم جے ڈی وائی کھاتہ ہے۔ خواتین کے اندر ہنرمندی اور ملازمت کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کے لئے نیشنل اسکل ڈیولپمنٹ پالیسی اور پردھان منتری کوشل وکاس یوجنا (پی ایم کے وی وائی) کے تحت کئی پروگرام شروع کئے گئے ہیں جس سے خواتین کو ایک باوقار ملازمت حاصل کرنے اور غربت سے نکلنے میں مدد ملے گی۔ بچیوں کے مالیاتی مستقبل کو یقینی بنانے کے لئے چھوٹی بچت کی اسکیم سوکنیا سمردھی یوجنا بھی "بیٹی بچاو بیٹی پڑھاو" پروگرام کے تحت شروع کی گئی ہے۔ ایس ایس وائی کے تحت جون 2016 تک ملک بھر میں 87 لاکھ کھاتے کھل چکے تھے۔

خلاصہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خواتین کو با اختیار بنانے کے لئے کئی اہم اقدامات کئے جارہے ہیں تاہم مردوں کے غلبے والی ذہنیت کی وجہ سے زندگی کے مختلف معاملات

مثلاً تغذیہ، تعلیم اور روزگار میں خواتین کو یکساں مواقع اب بھی نہیں دئے جا رہے ہیں نیز خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات بھی اب بھی ایک اہم چیلنج ہے۔مختلف اقدامات کو مستحکم کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔خواتین کو با اختیار بنانے کی اسٹریٹیجی ایک مسلسل عمل ہے اور نئی قومی پالیسی برائے خواتین میں بھی اس کی تجویز شامل ہے۔ اس پالیسی کے مسودہ میں سات ترجیحی شعبوں کو شامل کیا گیا ہے۔جن میں صحت، تعلیم، معیشت، گورننس اور فیصلہ سازی، خواتین کے خلاف تشدد، ہاؤسنگ اور انفرااسٹرکچر، پینے کا محفوظ پانی اور صفائی ستھرائی، ماس میڈیا اور اسپورٹس، سوشل سیکورٹی اور سپورٹ سروسز وغیرہ شامل ہیں۔حکومت نئے مسائل مثلاً خواتین کے لئے سائبر اسپیس کو محفوظ بنانے، پرسنل اور روایتی قوانین کو آئینی توضیعات کے مطابق بنانے، مصنوعی تولیدی تکنیک کو اختیار کرنے کا حق عورتوں کو دینے، واحد خاتون کی ضرورتوں کو تسلیم کرنے اور کاروباری سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کے لئے سازگار ماحول تیار کرنے سے بھی واقف ہے اور ان چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے تئیں اپنے عہد کی پابند ہے۔اب جب کہ ایس ڈی جی پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے ان مقاصد کو حقیقی، جامع، مساوی، عوامی مرکوز اور مابعد 2015 ترقیاتی ایجنڈا کے طور پر حاصل کرنا کافی اہم ہوگا۔اور یہ صرف مشترکہ کوششوں اور تمام فریقین بشمول سول سوسائٹی اور پرائیوٹ سیکٹر کے باہمی تعاون سے ہی ممکن ہے۔☆

جموں وکشمیر کے طالب علموں کے لیے اس سال پرکشش اسکالرشپ اسکیم: پرکاش جاوڈیکر

☆جموں وکشمیر کے طالب علموں کے لئے ریاست کے باہر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے شروع کی گئی خصوصی اسکالرشپ اسکیم اس سال زبردست توجہ کی حامل رہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سال مئی کے مہینے میں کپوارہ، اننت ناگ، سرینگر، پلوامہ، جموں، ڈوڈہ، راجوری، کٹھوا، کارگل اور لیہہ میں بیداری ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا تھا۔فروغ انسانی وسائل کے مرکزی وزیر مسٹر پرکاش جاوڈیکر نے کہا کہ اس منصوبہ بندی میں وزیراعظم نریندر مودی کے ذریعہ لائی گئی شفافیت اور ان 10 بیداری ورکشاپ کے انعقاد سے اس سال جموں وکشمیر کے طالب علموں کے لئے خصوصی اسکالرشپ اسکیم انتہائی پرکشش رہی ہے۔جموں وکشمیر کے 5000 سے زائد طالب علموں نے اس اسکالرشپ کے لئے درخواست دی تھی۔انہوں نے کہا کہ مجموعی طور پر اس سال اس سکیم کے تحت 75 کروڑ روپے کے برابر اسکالر شپ فراہم کی گئی ہیں۔اس سے پہلے انجینئرنگ کالجوں میں جموں وکشمیر کے طالب علموں کا کوٹہ صرف 250 تک محدود تھا، لیکن اس سال 1430 طالب علموں کو مختلف معروف انجینئرنگ کالجوں میں داخلہ دیا گیا۔ایسا پہلی بار مختلف انجینئرنگ شاخوں میں کوٹہ کو دو سے بڑھا کر دس کئے جانے کے باعث ہوا، یعنی ہر انجینئرنگ کالج میں مقررہ تعداد میں جموں وکشمیر کے طالب علموں کے لئے دس سیٹوں کا کوٹہ مقرر کیا گیا۔اس سال خصوصی اسکالرشپ اسکیم میں ہوٹل مینجمنٹ اور نرسنگ کو بھی شامل کیا گیا۔جہاں 15 طالب علموں کو معروف ہوٹل مینجمنٹ کے اداروں میں داخلہ دیا گیا۔ 284 طلبا وطالبات نے مختلف معروف نرسنگ کالجوں میں داخلہ لیا۔ اس کے علاوہ جموں وکشمیر کے 177 طالب علموں نے میڈیکل کالجوں میں اپنی صلاحیت کے بل بوتے داخلہ لیا۔

عام کلاس میں 1014 طالب علموں کو داخلہ ملا. مجموعی طور پر اس سال جموں وکشمیر کے طالب علموں کو 3584 اسکالرشپ فراہم کی گئیں، جن میں سے 1329 طالب علم وادی کشمیر کے 26 لداخ کے اور 2255 جموں کے تھے۔اس خصوصی اسکالرشپ اسکیم کے تحت ایک لاکھ 25 ہزار روپے تک کے ٹیوشن فیس تک کی ادائیگی مرکزی حکومت کی طرف سے کی جاتی ہے جبکہ ایک لاکھ روپے تک کی رقم طالب علموں کو ہاسٹل اور کھانے کے محصولات کے لیے دی جاتی ہے۔

عام کورس کے لئے 30000 روپے تک کے ٹیوشن فیس مرکزی حکومت کی طرف سے ادا کی جاتی ہے اور ایک لاکھ روپے تک کی رقم ہاسٹل اور کھانے کے محصولات کے لیے دی جاتی ہے۔اداروں کو ٹیوشن فیس براہ راست طور پر منتقل کر دی جاتی ہے، جس سے کہ طالب علم داخلہ کے لئے کالج میں جائے تو کالج تعلیمی فیس جمع کرنے پر اصرار نہ کرے۔ایک لاکھ روپے تک کا ہاسٹل اور کھانے بھتہ ڈی بی ٹی کے طالب علموں کے اکاؤنٹس میں قسط وار منتقل کر دیا جاتا ہے۔معمول سے زیادہ سیٹوں کی تقسیم کے لئے مرکزی مشاورت کا عمل 26 جولائی اور 3 اگست، 2016 کے درمیان سرینگر اور جموں میں ایک ہی ساتھ کیا گیا۔اس اسکالرشپ اسکیم کا فائدہ اٹھانے کے لئے جموں وکشمیر کے طالب علموں کو اپنی 12 ویں کلاس کا جموں وکشمیر سے پاس ہونا لازمی ہے اور اس کے خاندان کی آمدنی سالانہ چھ لاکھ روپے سے کم ہونی چاہئے۔سال 2014-15 کے تعلیمی سال میں، فروغ انسانی وسائل کی وزارت نے اسکالرشپ کی درخواست اور قرضوں کی فراہمی کے عمل کو معقول بنانے کے لئے ایک شفاف نظام متعارف کرایا۔ٹیکنالوجی کے استعمال سے شفافیت اور احتساب کو یقینی بنا دی گئی ہے۔طالب علموں کو اپنی اسکالرشپ کے دعوے کی پروسیسنگ کے لئے اپنے دستاویزات کو http://aicte-jk-scholarship.in/ ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرنے کی ضرورت ہے۔

ایلا آر بھٹ

خواتین کے معاشی اختیارات

آج کا دورتبدیلی کا تغیر کا دور ہے، اسی لئے اس دور میں دنیا کو نسوانی قیادت کی زیادہ ضرورت ہے۔ خواتین کی ضرورت خواتین رہنماؤں کی محض تعداد میں اضافہ کرکے ہی پوری نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کے لئے مردوں کو خواتین کو زیادہ عزت اور وقار دینا ہوگا۔

میری نشوونما اس زمانے کی ہے جب ہندوستان ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد میں مصروف تھا۔ ہم نوجوانوں نے آزادی سے مستفید ہونے کی غرض سے ملک اور اپنی زندگیوں کی تعمیر نو کا عہد لیا تھا۔ مہاتما گاندھی ہمارے رہنما تھے۔ وہ افراد کی صفائی اور سیاسی آزادی کو یکساں اہمیت دیتے تھے۔ گاندھی جی کے لئے بیت الخلا اور گاؤں کے تالابوں کی صفائی کی اتنی اہمیت تھی جتنی کہ روحانی نجات کی۔ ہم معیشت کو عوام کے مفادات کے پس منظر میں سمجھا ہے۔ ان کے خیالات میرے اور سیوا(SEWA) کے لئے رہنما اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہے سادگی۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ پیچیدگی خوش حالی کا تضاد ہے۔ دوسری ہے کہ عدم تشدد۔ تشدد اور آزادی میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ تیسرا اصول ہے محنت کا وقار اور اس کی عظمت۔ محنت فطری قانون ہے اور اس کی خلاف ورزی موجودہ بحران کا سبب ہے اور چوتھا اصول ہے انسانی اقدار، انسانی اقدار سے کسی قسم کا سمجھوتہ قابل قبول نہیں ہے۔ سادگی، عدم تشدد، محنت کا وقار اور انسانی اقدار کے ان چار بنیادی اصلولوں پر ہندوستانی معیشت استوار کرنے کا سبق ہمیں سکھایا گیا ہے۔

کسی بھی خیال میں انسان کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لحاظ سے سیوا میں ترقی سے مراد مکمل اور مربوط ترقی ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں ترقی کا مطلب تعمیر کام ہے، چاہے وہ کسی نوعیت کا ہو۔ ہم اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے ان کے اثرات کا موازنہ کرتے ہیں جو خود ہم پر، سماج پر اور پورے عالم مرتب کرتی ہیں اور اسی طرح ہم ایک ذمہ دار اور شہری کی شناخت پاتے ہیں۔ یہی تعلقات ہماری سیوا اور سیوا تحریک کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

البتہ جس چیز کی میرے دل میں سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ وہ ہے کام میں کام کو انسانی زندگی 'کرم' کا محور تصور کرتی ہوں۔ کام اور تعمیری کام ہے ترقی و نمو کی علامت ہے۔ غریب خواتین کے ساتھ کام کرکے ہمیں اندازہ ہوا کہ ان کی زندگی میں کام کی مرکزی حیثیت ہے۔ کام بھی گان کی زندگی کو مصنوعیت عطا کرتا ہے۔ کام بھی ان کو شناخت عطا کرتا ہے۔ کام سے ہی زندگی کا کاروبار چلتا ہے، کام سے ہی مصنوعات، خدمات پیدا کی جاتی ہیں اور سماج و ملک کی تعمیر ہوتی ہے لیکن غربت کی وجہ سے اس میں عدم توازن پیدا ہوجاتا ہے۔ ہمیں شخصی، طبقاتی سطح پر، ماحولیات اور فطرت ہر جگہ ہر سطح پر استحصال کا سامنا کانا پڑتا ہے۔

غربت میں ہر سطح پر تفریق کا احساس ہوتا ہے، چاہے وہ طبقہ کی بنیاد پر ہو، ذات بنیاد پر، مذہب، رنگ، زمین کی ملکیت، جنسی یا زبان کی بنیاد پر۔ اس کے نتیجے میں ہمارے اندر ہر طرح کی کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔ معاشی، سماجی دماغی یا روحانی۔ لوگ اعتماد کھودیتے ہیں اور ان میں بے اعتقادی پیدا ہوجاتی ہے۔ غربت ایک ایسا لامتناہی تشدد ہے جسے سماج کا اعتراف حاصل ہے۔ غربت اور آزادی کا زیاں مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ ایک ملک اس حد تک ہی آزاد ہے جس حد تک اس کے غریب باشندے اپنے حقوق کا استعمال کرسکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا

مصنفہ گاندھیائی ہیں اور سیوا (SEWA) سے وابستہ ہیں۔
bhattela@sewa.org

نتیجہ ہے جو ہم نے غریب اور نادار خواتین کے ساتھ کام کرکے اخذ کیا ہے۔ اس لئے خواتین کی رہنمائی ہی میں ہمیں بقا نظر آتی ہے۔

سیوا میں ہم خواتین کے ساتھ کام کرتے ہیں جو سب سے کمزور سمجھی جاتی ہیں لیکن ان کے اجتماع میں بے پناہ طاقت ہے۔ ہم کام کرنے کے لئے ملتے ہیں اور پھر نیٹ ورک قائم کرتے ہیں۔ ہم یونین بناتے ہیں تاکہ اپنے مطالبات کو پورا کرواسکیں، تاجروں، ٹھیکہ داروں، ہماری سرکاروں، عالمی برادری نظام اور ڈھانچے کے ذریعے کئے جارہے استحصال کو ختم کرسکیں۔ سیوا میں ہم اپنی مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بنک قائم کیا ہے تاکہ قرض لینے دینے، اثاثوں کو جمع کرنے اور وسائل کو تلاش کرنے میں سہولت ہوسکے اور طرز زندگی بہتر ہو۔ ہم نے ملک میں پیداوار سے وابستگی قائم کرنے کے لئے امداد باہمی اور اسے تشکیل دیتے ہیں۔ ہم نے زچہ بچہ سہولیات، صحت اور زندگی کے بیمہ کے نئے سماجی تحفظ نیٹ ورک قائم کئے ہیں۔ تجارتی مراکز کے ذریعہ ملک بھر کی خواتین کاشت کاروں اور دست کار خواتین کا نیٹ ورک قائم کرکے علاقائی اور عالمی بازار کے مابین خلیج کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی ضرورت کے مطابق ہم نے اسکول قائم کئے ہیں جس کا اثر باہری دنیا میں محسوس کیا جارہا ہے۔

سیوا کوئی پروجیکٹ نہیں نہ ہی کوئی ادارہ ہے اور نہ ہی اس کا تعلق معیشت یا پیسے سے ہے۔ اس کا مقصد سماج کے امیر اور غریب طبقوں کے مابین توازن قائم کرنا ہے۔ یہ افرادی یا اجتماعی طور پر خود اعتمادی کو بحال کرتا ہے جو مالی بھی ہوسکتی ہے اور افرادی اور اجتماعی طور پر فیصلے کرنے میں مدد کرتی ہے۔ یہی وہ راہ ہے جو خواتین کو بااختیار بناتی ہے۔

میں سمجھتی ہوں کہ عالمی سطح پر بیشتر طبقات ''الفیہ ترقی اہداف'' کے نظریہ سے واقف نہیں ہیں۔ ترقی کی زبان کے بارے میں میرا خیال ہے کہ ترقی کے اہداف لوگوں کو بتانے کے لئے مختلف زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ طاقت کی زبان سے عدم اختیارات کا مداوا نہیں کیا جاسکتا۔ غربت عدم اختیارات کی ایک شکل ہے۔ یہ ایک ایسی علامت ہے جس سے ایسے لوگوں کا پتہ چلتا ہے جو فیصلے کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی رسائی وسائل تک ہے۔ غرباء کو فیصلہ سازی یا مشوروں میں شامل کرنے سے غرباء کے اختیارات میں بہتری تو آتی ہے لیکن ایک محدود حد تک۔ اختیارات کی صحیح تفویض اس وقت ہوسکتی ہے جب وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کے مجاز ہوں۔ جب غربت کو ہم اختیارات کا سد راہ تسلیم کرلیتے ہیں تو ہم اس کا حل بھی تلاش کرسکتے ہیں۔ طبقات خاص طور پر خواتین کو اختیارات تفویض کئے جانے چاہئیں تاکہ وہ خود اپنے کام، معاش زندگی، صحت، تعلیم، شہر سازی، پناہ گزین امن و مستقبل کے بارے میں فیصلے کرسکیں۔ ایسے ملکوں میں جس چیز پر دھیان دینے کی ضرورت ہے، وہ کمیونٹی ہے۔ معیشت اور معاش دونوں پر لوگوں کی دعویداری ہونی چاہئے۔ بصورت دیگر زندگی اور ذریعہ معاش دونوں متوازی اور ایک دوسرے کے متضاد ہوجاتے ہیں۔

میرا نظریہ یہ ہے : ایک یہ کہ خواتین کو ہر ایک اقتصادی اصلاح کے پروگرام میں مرکزی حیثیت دینی چاہئے خاص طور پر بنیادی روزگار کے شعبے میں مثلاً خوراک، پانی، کپڑا، مکان، ابتدائی صحت عامہ تعلیم اور ابتدائی بنکنگ وغیرہ۔ دوسرا یہ کہ غربت کے خاتمے کے لئے کئے جانے والے اقدامات کام کو مرکزی اہمیت دی جانی چاہئے۔ تیسرے غریب لوگوں کے ان اقدامات میں وافر سرمایہ کاری کرنی چاہئے جن میں ایک مناسب سطح تک ترقی کی گنجائش ہو۔ چوتھا: کام کرنے والے غریب لوگوں کو مکمل سماجی تحفظ فراہم کرنا چاہئے۔ ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ معاشی ڈھانچے سماجی ڈھانچے سے منسوب ہے۔ پانچواں نچلی سطح پر خود روزگار فراہم کرنے والی خواتین کی علاقائی اور عالمی بازاروں میں رسائی کی صلاحیت کو تقویت بخشی چاہئے۔

میں شریف النفس معیشت کے حق میں ہوں، ایک ایسی معیشت جو نشو ونما میں معاون ہو۔ فرد کی خود کی اس کے طبقے کی اور پورے عالم کی نشو ونما و ترقی۔

ایسا کرے گا کون؟

میرے خیال میں کسی بھی طبقے کی تعمیر نو میں خواتین کلیدی کردار کی حامل ہوتی ہیں۔ آپ خواتین پر توجہ مرکوز کریں، آپ کو ایسے لوگ مل جائیں گے جو مستحکم کمیونٹی کے خواہاں ہیں۔ خواتین کو اپنے خاندان کے لئے بنیادی استحکام کی تلاش ہوتی ہے۔ ایک خاتون کو کام کرنے والا، مددگار، معاون، معلم اور رابطہ کار سب طرح کا کردار نبھانا ہوتا ہے۔ وہ رابطوں اور تعلقات کو استحکام عطا کرتی ہے۔ میں تلاش اس کے کام میں خواتین کی شرکت اور ان کی نمائندگی کو نہایت اہم تصور کرتی ہوں۔ خواتین تعمیری، تخلیقی اور مستحکم حل تلاش کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

علاوہ ازیں اگر خواتین کو مرکزی حیثیت عطا کی جائے تو وہ اپنے تخلیقی کام سے پورے سماج کو باندھے رکھتی ہے۔ جب آپ کام کرتے ہیں تو آپ کو سماج کو استحکام بخشنے کی ترغیب ملتی ہے۔ آپ صرف مستقبل کے بارے میں سوچتے ہی نہیں بلکہ اس مستقبل کی منصوبہ بندی بھی کرتے ہیں۔ آپ اپنے اثاثوں میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ زندگی صرف زندہ رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی بہتر مستقبل کے لئے سرمایہ کاری بھی کرنی چاہئے۔ کام کرنے سے امن پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اس سے کام کرنے والوں کو استحکام طبقوں کو مضبوطی نصیب ہوتی ہے اور زندگی کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا میں سب سے زیادہ اہمیت کام کو دیتی ہوں۔ کام سے مراد فیکٹری میں کام کرنا نہیں ہے، مٹھائی کی دکانوں پر یا ایسے نامعقول اور ناقابل قبول محنت کش کے طور پر کام کرنا ہو جو کسی کمپنی کے نیچر کے غلام ہوکر کام کرتے ہیں جو خود ایک استحصال کی شکل ہے۔ کام سے مراد ہے خوراک کی پیداوار اور پانی تک دسترس۔ اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کے روایتی ہنر میں اضافہ جو ہزاروں برسوں سے کاشت کاری، مویشی پروری، مچھلی پالن، مکانوں کی تعمیر، کپڑا اور کپڑے کی مصنوعات کی پیداوار میں مصروف ہیں۔ کام لوگوں کو معاش عطا کرتا ہے۔ کام سے انسان کا خود سے دوسرے

لوگوں سے، زمین سے، ماحول سے اور اس خالق کائنات سے رشتہ مضبوط ہوتا ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا۔

ہمارے سامنے چیلنج یہ ہے کہ ہم ایسے شعبوں میں تجارتی میں تجارتی مواقع تلاش کریں جو روایتی فہرست میں نہیں ہیں۔ ہمیں کچھ ایسا کرنا چاہیے جس سے کہ پیڑوں کو کاشت سے زیادہ پیڑ لگانے میں زیادہ فائدہ ہو۔ مینوفیکچرنگ سے زیادہ ریسائیکلنگ میں زیادہ سودمند ہو۔ ہمیں نجی اثاثوں میں اضافہ سے زیادہ طبقاتی اثاثوں کو فروغ دینا چاہیے۔ اگر ہم تجربہ کر کے دیکھیں تو باہمی تعاون سے بھی وہی نتیجے اخذ کئے جاسکتے ہیں جو صحت مند مقابلہ آرائی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے خیال کے ساتھ ساتھ اپنے مفاہیم میں بھی تبدیلی لانی ہوگی۔

میرے لحاظ سے سیوا بینک کی کامیابی اس امر میں مضمر ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چھوٹی بچت اور اپنی مدد خود کرنے والے اداروں تک ضلعی سطح کے بینک کی سہولیات مہیا کرائے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ بڑے بڑے اثاثوں والے قومی بینک کا وقار حاصل کرے۔

میرا یقین ہے کہ خواتین سماج میں تبدیلی لاسکتی ہیں۔ خواتین کی رہنمائی پر ہمیں اعتماد کرنا ہوگا۔ اس کو ضروری تحفظ اور مدد فراہم کرنی ہوگی کیوں کہ اگر ایک داخلی ساج اور پائیدار ماحول تخلیق کرنا ہے تو اس کی یہی ایک صورت ہے۔

اب تک خواتین کو ایک ارزاں اور ہمیشہ دستیاب رہنے والے وسیلے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اب اور نہیں۔ اب دنیا کو یہ احساس کرانا ہوگا کہ خواتین دنیا کے لئے ایک اثاثہ ہیں۔ خواتین شاک ابزار بر نہیں ہیں جو اچھے اور برے وقت کی اچھی بری باتوں کو سمجھنے کے لئے نہیں ہیں۔ خواتین کو ان اچھی بری باتوں کے اثر کو اپنے اندر جذب کر لینے کی بجائے ان اچھے برے موقعوں پر شراکت کی حیثیت دینی ہوگی۔ خواتین کے لئے اہداف مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کی اقدار بھی مقرر ہیں، طریقہ کار ہیں جس سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ خواتین میں وقت کا احساس ذرا مختلف ہوتا ہے۔ کام کرنے کے لئے جتنا ضروری ہو، وقت صرف کیا جاسکتا ہے۔ سیوا کو دس لاکھ لوگوں تک پہنچنے میں تیس رس لگ گئے۔ خواتین کی نظر پورے گروپ اور طبقے پر ہوتی ہے اور وہ سب کو اپنے ساتھ لے کر چلنے میں یقین رکھتی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے انتظار کرتی ہیں جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ چاہے ان کی وجہ سے کام میں تاخیر بھی کیوں نہ ہوجائے۔ خواتین کا زور شمولیت پر ہوتا ہے نہ کہ غالبیت پر، نتیجہ سے زیادہ طریقہ کار پر ہوتا ہے، فرد سے زیادہ گروپ پر ہوتا ہے، ربط پر ہوتا ہے نہ کہ تقسیم پر۔ میں یہ دعوی اپنے ان تجربات کی بنیاد پر کر رہی ہوں جو میں نے اپنی سیوا بہنوں کے ساتھ کام کر کے حاصل کیا ہے۔

آج کے دور میں یہ معقول کیوں ہے؟

آج کا دور تبدیلی کا تغیر کا دور ہے، اسی لئے اس دور میں دنیا کو نسوانی قیادت کی زیادہ ضرورت ہے۔ خواتین کی ضرورت خواتین رہنماؤں کی محض تعداد میں اضافہ کر کے ہی پوری نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کے لئے مردوں کو خواتین کو زیادہ عزت اور وقار دینا ہوگا۔

☆☆☆

''جنگلوں اور قبائل کی بقائے باہمی ہماری تہذیب میں شامل ہے'': وزیر ماحولیات

☆ ماحولیات، جنگلات اور تبدیلی ماحولیات کے محکمے کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) جناب انل مادھو دوے نے جنگلات، قبائل اور جڑی بوٹیوں کے درمیان بقائے باہمی کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جناب دوے نڈین فاریسٹ سروس کے 215 کے بیچ کے پروبیشن افسران کے بیچ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ درختوں اور نادر پرندوں اور جانوروں کی نسلوں کا تحفظ اور ان کی بقائے باہمی ہماری تہذیب میں شامل ہے۔ جناب دوے نے ان زیر تربیت افسران سے زور دے کر یہ بات کہی کہ وہ بہترین افسر جنگلات بن کر دکھائیں اور اپنا کام انتہائی اور انہاک کے ساتھ کریں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ ان افسران کو تربیت دینے والے اداروں کے کام کاج کا معیار بھی مثالی ہونا چاہیے۔

اس موقع پر پروبیشن افسران کو مخاطب کرتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل ا?ف فاریسٹ اور اسپیشل سکریٹری ڈاکٹر ایس ایس نیگی نے کہا کہ انڈین فاریسٹ سروس اپنے افسران کو فطرت کے ساتھ زندگی جینے کے مواقع فراہم کراتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جواں سال آئی ایف ایس افسران کو جنگلو ں کے کاروبار پر انحصار کرنے والے قبائل کے غریب افراد کے لئے سچی لگن کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ انڈین فاریسٹ سروس کے سال 2015 کے پروبیشن افسران کے بیچ میں 61 افسران شامل ہیں جن میں چار خواتین بھی ہیں اور بھوٹان کے دو غیر ملکی زیر تربیت افسران بھی اس بیچ میں شامل ہیں۔ اس موقع پر ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل آف فاریسٹ ڈاکٹر انل کمار، اندرا گاندھی نیشنل فاریسٹ اکیڈمی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر ششی کمار، انسپکٹر جنرل آف فاریسٹ ڈاکٹر ریکھا پئی اور ماحولیات، جنگلات اور تبدیلی ماحولیات کی وزارت کے دیگر افسران بھی موجود تھے۔ تقریب کے آخر میں ڈاکٹر ریکھا پئی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆

میری ای جون

بچوں کا منفی صنفی تناسب

ذہنیت اور سرکاری پالیسی

اگر ریاستیں بچوں کے صنفی انتخاب کے مسئلہ کو حل کرنا چاہتی ہیں تو انہیں اپنی مہم اور خاص طور سے اپنی پالیسیوں سے حاصل ہونے والے نتائج کا اعتراف کرنا ہوگا۔ بیداری پیدا کرنے کا عمل صرف ذہنیت تبدیل کرنے تک ہی محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ ہمارے سماج کے حالات تبدیل کرنے تک وسیع ہونا چاہئے جس کی وجہ سے اس طرح کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔

مصنف مرکز برائے مطالعہ ترقی خواتین، نئی دہلی میں سینئر فیلو ہیں۔ وہ متعدد موضوعات پر لکھتے ہیں۔
maryejohn1@gmail.com

ہندوستان میں منفی صنفی تناسب کا مسئلہ ہماری تاریخ کا حصہ رہا ہے۔ کم سے کم نوآبادیاتی دور سے تو ہے ہی۔ 90 کی دہائی میں یہ ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آیا۔ برطانوی اہل کاروں نے انیسویں صدی میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ راجپوت اور جاٹ برادری کے لوگ اپنی لڑکیوں کو کیوں قتل کردیتے ہیں۔ اسی طرح سے نوآبادی کے خاتمے کے بعد ہندوستان میں آبادی کا اعداد وشمار رکھنے والے ماہرین کو یہ حیرت ہوتی تھی کہ آزادی کے بعد بھی مردوں کے مقابلے عورتوں کی تعداد کیوں کم ہورہی ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو سمجھنے میں مزید الجھنیں اور اختلافات سامنے آئے۔ 80 کی دہائی کے بعد ایک نیا خطرناک پہلو سامنے آیا۔ پتہ چلا کہ دہلی، امرتسر اور ممبئی جسے بڑے شہروں میں جنین کی نشو ونما کی جانچ کرنے والی تکنالوجی جنین کی صنف کا پتہ لگانے کا ذریعہ بن گئی۔ یہ پتہ چلنے پر کہ جنین بچی ہے تو اسقاط حمل کروادیا جاتا ہے۔

ڈاکٹروں کے ذریعہ ٹکنالوجی کے ناجائز استعمال کی وجہ سے صنفی تعصب پر مبنی صنفی انتخاب میں اضافہ ہوا، اسی ہندوستان نے بچے کی پیدائش سے قبل اس کی صنف کی جانچ کے طریقہ کار قانون کے ذریعہ اسے مجرمانہ فعل قرار دے دیا ہے۔ بچوں کی صنف کا پتہ لگانے والے عمل کو روکنے کے لئے طویل مہم چلائی گئی ہے اور اس دوران قصوروار ڈاکٹروں اور ریڈیولوجسٹ کو گرفتار بھی کیا گیا۔ اس کام کے لئے، سنجیدگی اور مستقبل مزاجی کی ضرورت ہے جو کہ کچھ سرکاری ملازمین اور ضلع کلکٹروں میں دیکھنے کو ملی (مثال کے طور پر فیض آیا اور حیدرآباد)۔ اس طرح سے نمبر سرکاری تنظیمیں اور میڈیا کے اقرار اسٹنگ آپریشن کے ذریعہ بچوں کی صنف بتانے والے ڈاکٹروں کی اصلیت بناسکتے ہیں جیسا کہ راجستھان میں اور مہاراشٹر کے بیڑ ضلع میں دیکھنے کو ملا۔ کچھ حلقوں نے خبردار کیا ہے کہ اس طرح کی حمایت خود اسقاط حمل کے خلاف غیر ارادی طور پر ایک مہم میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ اسقاط حمل (جو کہ ہندوستان میں خواتین کا مکمل حق کبھی نہیں رہا ہے، بلکہ اسے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں سے جوڑ دیا گیا ہے) ان عورتوں کے لئے کافی مشکل ہوتا جارہا ہے جنہیں اس کی واقعی ضرورت ہے۔

موجودہ ذہنیت پر از سر نو کرنے کی ضرورت

لوگ بچوں کی صنف کا پتہ کیوں لگاتے ہیں، اس کے پیچھے عام تصور ذہنیت میں ہے۔ کتنی بار یہ سننے کو ملتا ہے کہ ذہنیت اس مسئلہ کو اہم جڑے اور اس ذہنیت کو بدلنے کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔ اس اصطلاح کا اصل مطلب کیا ہے؟ لغت میں ذہنیت کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔ کسی کا طے شدہ رویہ اور لغت اس کی اس طرح سے مثال دیتی ہے۔ ''ایسا لگتا ہے کہ اس علاقے میں پرانی ذہنیت کا غلبہ ہے۔ میرے خیال کے عمل کو سمجھنے اور اس مخالفت کے تناظر میں اس تصور کا استعمال کس طرح سے کیا جارہا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طرح کے عمل کے قصوروار خاندان بیٹوں اور بیٹیوں کے بارے میں

طے شدہ نظریہ اور انہیں کتنی اہمیت دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان کے نظریات میں کوئی تبدیلی اس لئے نہیں آرہی ہے کیوں کہ اس کی جڑیں قدیم روایات میں پیوست ہیں۔ جن میں بیٹیوں کی قدر کم ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی ذہنیت تبدیل کرنی چاہئے تو ہم ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے روایتی نظریہ کو ترک کر کے جدید نظریہ اختیار کریں۔

بچوں کے منفی صنفی تناسب سے متعلق اپنی تحقیق کی بنیاد پر میں سمجھتی ہوں کہ یہ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے انتہائی ناکافی ہے۔ جب اس طرح سے سوچتے ہیں تو ہم یہ مان لیتے ہیں کہ اس طرح کے لوگوں کے خیالات موجودہ دور سے مطابقت نہیں رکھتے۔ لیکن آیئے اس پر محتاط نظر ڈالتے ہیں کہ آج کے خاندان بیٹی کے بجائے بیٹے کو ترجیح دینے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ کیا سوچتے ہیں۔ خاندان اپنے مستقبل کا منصوبہ صرف قدیم نظریات پر نہیں بلکہ اپنی ان توقعات پر بناتے ہیں کہ اپنی امیدیں پوری کرنے کے لئے وہ کس طرح کے وسائل کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کے رویہ اور نظریے کے بارے میں بات کر رہے ہیں لیکن یہ وہ نظریات ہیں جو اسی عصری سماج اور معاشی تناظر میں جنم لیتے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں۔ دیگر الفاظ میں موجودہ دور میں خاندان اپنے یہاں بچوں اور اس کی پرورش کے لئے وسائل کی تلاش کے نظریہ کے درمیان جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ کافی انوکھا اور پیچیدہ رشتہ ہے جس میں خاندان اپنے جدید ماحول سے کافی زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ ہم دوسرے سوال کر سکتے ہیں جیسے 80 کی دہائی کی نئی ٹکنالوجی کے علاوہ گزشتہ کچھ دہائیوں میں کس طرح کی دیگر پیش رفت نے فیصلہ سازی کو متاثر کرنے میں رول ادا کیا ہوگا۔ کس طرح کے خاندان خاص طور سے اثر قبول کرنے والے ہیں۔

یہ بات اہم ہے کہ بچوں کے صنفی تناسب میں گراوٹ کا عہد بھی اتفاق سے وہی ہے جب ہندوستان میں 90 کی دہائی سے معاشی نمو میں کافی اضافہ ہوا۔ اگرچہ اس کے بعد بڑے پیمانے پر معاشی توسیع اور تبدیلی رونما ہوئی لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس طرح کی ترقی کا فائدہ بہت ہی غیر مساوی رہا ہے اور پرانے روزگار کی جگہ نئے روزگار کے بہت زیادہ مواقع پیدا نہیں ہو رہے ہیں۔ ان سب معاملات میں عورتیں سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ وہ خاندان جو زیادہ غریب نہیں ہیں اور جو چند بچے پیدا کر کے اپنی معاشی حالت کو بہتر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کے یہاں جنسی انتخاب کا عمل اختیار کرنے کا خطرہ زیادہ ہے۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے خاندان کہتے ہیں کہ وہ چاہیں گے کہ ان کے یہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو لیکن حقیقت میں کیا ہوتا ہے کہ ایک بیٹا یا صرف ایک بیٹی ہی رہ جاتی ہے۔ مزید برآں اس طرح کے خاندان کافی جدت پسند ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کی بہتر دیکھ بھال، بہتر غذا اور بہتر تعلیم ملے اور بالغ ہونے پر وہ کامیاب زندگی گزاریں یعنی بیٹے کے لئے بہتر روزگار ہو اور بیٹی کے لئے خوش حال شادی شدہ زندگی ہو۔ لیکن کہنے سے کرنا مشکل ہے۔ ایسے ثقافتی ماحول میں جہاں بہت زیادہ غیر یقینی ہے، خاص طور سے ایک بیٹی کی پرورش میں بہت زیادہ تشویش اور بوجھ کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے قصہ مختصر خاندانوں میں شواہد نمایاں ہیں کہ ان کے یہاں ایک ذہنی عادت ہے کہ جب وہ بیٹی پیدا نہیں کرنا چاہتے تو یہ بات اس ماحول سے مطابقت رکھتی ہے جس میں وہ رہے ہیں۔

سرکاری اسکیموں کا اہم رول

ایسی صورت میں حکومت کو اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لانا چاہئے جیسے ریاستی اور مرکزی سطح کی اسکیمیں تاکہ خاندانوں کو مثبت پیغام دیا جاسکے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، یہ ایسے خاندان ہیں جو غریبی کے دائرہ سے باہر ہیں پھر بھی جدوجہد کر رہے ہیں کہ ان کے وسائل بچوں کے لئے ان کے منصوبوں سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ اس طرح کے خاندانوں میں بچوں کے صنفی انتخاب کا خطرہ زیادہ ہے۔ وہ بھی یقینی بنانا چاہتے ہیں کہ جس قدر ممکن ہو سکے، ان کا خاندان ایک مکمل خاندان ہو یعنی ان کے یہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو۔ 2001 کی مردم شماری سے پتہ چلا کہ بہت سی ریاستوں میں صفر سے چھ سال کے بچوں کے صنفی تناسب میں کافی گراوٹ آئی ہے۔ اس لئے بہت سی اسکیمیں خاص طور سے ریاستی سطح پر اسکیمیں شروع کی گئیں یا موجودہ اسکیموں میں تبدیلی کی گئی تاکہ بچیوں کو کم اہمیت دیئے جانے کا مسئلہ حل کیا جاسکے۔ اپنی بیٹی اپنا دھن جیسی بہت سی اسکیمیں شروع کی گئی تاکہ جلد شادی کے مسئلہ کو حل کیا جاسکے اور خط افلاس سے نیچے زندگی گزارنے والے خاندانوں کی حوصلہ افزائی کی جاسکے کہ اپنی بیٹیوں کو اسکول جانے دیں اور 18 سال سے پہلے ان کی شادی نہ کریں۔ اس وجہ سے ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، دہلی اور مدھیہ پردیش جیسی ریاستوں میں نقدی کی مشروط منتقلی کی اسکیمیں وجود میں آئی ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے لاڈلی، دھن لکشمی جیسی اسکیمیں خاندانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے شروع کی گئیں تاکہ وہ اپنے یہاں بیٹیاں پیدا کریں۔ اس کے تحت بچی کی پیدائش کے بعد سے مختلف مراحل میں اس کے نام پر کھولے گئے بینک کھاتے میں رقم منتقل کی جاتی ہے۔ ان میں ٹیکہ کاری اور اسکولی تعلیم کے مراحل شامل ہیں اور جب لڑکی اٹھارہ سال کی ہو جاتی ہے اور شادی شدہ نہیں ہوتی ہے تو اس کے کھاتے میں ایک مجموعی رقم موجود ہوتی ہے۔ ان اسکیموں کے پیچھے جو تصور کارفرما ہے وہ یہ کہ خواہش کے بغیر ہونے والی بچی کے ''بوجھ'' کا ازالہ کرنا۔ لیکن یہ اسکیمیں بھی کئی شرائط سے بندھی ہوئی ہیں جس سے ان کا کام کاج متاثر ہوتا ہے۔ ان اسکیموں کے بارے میں کئی سروے کئے گئے ہیں، کچھ سروے سے پتہ چلتا ہے کہ اس اسکیم کا فائدہ نہ اٹھانے والے اہل بچوں کے مقابلے فائدہ اٹھانے والے خاندانوں میں بچوں کے اسکول نہ چھوڑنے کے عمل میں معمولی بہتری آئی ہے۔ دیگر سروے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بہت زیادہ شرائط بڑی رکاوٹ ہیں۔ خاص طور سے ان میں خط افلاس سے نیچے زندگی گزارنے والے خاندانوں کو ہی شامل کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسکیم خط افلاس سے اوپر زندگی

گزارنے والے خاندانوں کے لئے نہیں ہے جن کے یہاں بچوں کے صنفی انتخاب کا امکان زیادہ ہے۔ دیگر حلقے ان اسکیموں کی اس لئے نکتہ چینی کررہے ہیں کہ ان سے عوام کی اس سوچ کو تقویت مل رہی ہے کہ ایک بیٹی خاندان پر بوجھ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔

دو سال پہلے مرکزی حکومت نے ''بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ'' کے نام سے ایک نئی اسکیم کافی جوش وخروش کے ساتھ شروع کی جس کا مجموعی بجٹ سو کروڑ روپے ہے۔ ہریانہ جیسی ریاست میں جہاں کئی اضلاع میں بچوں کا صنفی تناسب طویل عرصہ سے کافی کم ہے، یہ اسکیم نمایاں طور پر نظر آرہی ہے۔ شہروں اور شاہراہوں پر بڑی بڑی ہورڈنگ اور بسوں کے پچھلے حصے پر اشتہارات لگے ہوئے ہیں اور ریاستی عہدیدار اکثر و بیشتر اس کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ تاہم مثبت سوچ کے باوجود نقدی کی مشروط منتقلی کی اسکیموں سے اس اسکیم میں بھی رکاوٹ پڑی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ پوری رقم اطلاعاتی مہم پر استعمال ہورہی ہے جب کہ بنیادی مسئلہ لوگوں کی منفی ذہنی عادت ہے جو جنس کے تعین کے لئے جانچ کرواتے ہیں یا اپنی بیٹیوں کو خاطر خواہ تعلیم نہیں دیتے۔ لیکن جیسا کہ اس مضمون میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ لوگ ابتدا سے ہی روایتی ذہنیت سے متاثر نہیں ہورہے ہیں جو چیز صورت حال کو بدتر بناتی ہے، وہ حکومت کی اہم اسکیمیں ہیں جیسے پری اسکول بچوں کے لئے فلیگ شپ انٹیگریٹیڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ اسکیم (آئی سی ڈی ایس) اور سروشکشا ابھیان جو کہ حق تعلیم کے نفاذ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، ان کے بجٹ میں گزشتہ دو برسوں میں کافی تخفیف ہوئی ہے۔ یہ وہی اسکیمیں ہیں جو بنیادی تغذیہ اور بچوں کے ابتدائی برسوں نیز آفاقی اسکولی تعلیم کے لئے اہم ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لڑکیوں سمیت تمام بچوں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لئے بھی ضروری ہیں۔

مزید برآں اگر ریاستیں بچوں کے صنفی انتخاب کے مسئلہ کو حل کرنا چاہتی ہیں تو انہیں اپنی مہم اور خاص طور سے اپنی پالیسیوں سے حاصل ہونے والے نتائج کا اعتراف کرنا ہوگا۔ بیداری پیدا کرنے کا عمل صرف ذہنیت تبدیل کرنے تک ہی محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ ہمارے سماج کے حالات تبدیل کرنے تک وسیع ہونا چاہئے جس کی وجہ سے اس طرح کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقی کا ایسا طریقہ کار ہو جو والدین کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے بارے میں الگ الگ طرح سے سوچنے کے لئے مجبور نہ کرے یعنی عورتوں اور مردوں کے لئے ملازمت کے یکساں امکانات ہوں۔ اس میں والدین میں اپنی بیٹیوں کے جنسی تحفظ کے بارے میں بڑھتے ہوئے خدشات کو حل کرنے کی بات ہو۔ آج کے نوجوان کے لئے ایسے اسباب پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ یہ سوچ سکے کہ خاندان کی مدد کے بغیر بھی وہ اپنا مستقبل روشن بنا سکتا ہے۔

☆☆☆

اسمارٹ گنگا سٹی اسکیم دس شہروں میں شروع

☆ آبی وسائل، ندی کی ترقی اور گنگا کے احیا کی وزیر محترمہ اوما بھارتی اور شہری ترقیات کے وزیر جناب ایم وینکیا نائیڈو نے ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ دس اہم شہروں میں اسمارٹ گنگا سٹی اسکیم کی شروعات کی۔ یہ اہم شہروں کے نام ہری دوار، رشی کیش، متھرا اور ورنداون، وارانسی، کانپور، الہ آباد، لکھنو، پٹنہ، صاحب گنج اور بیرک پور میں صاف گنگا سے متعلق بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے لیے پہلے مرحلے میں ان شہروں کا انتخاب کیا ہے۔ اجین میں تقریب سے خطاب کرتے ہوئے آبی وسائل، ندی کی ترقی اور گنگا کے احیا کی وزیر محترمہ اوما بھارتی نے کہا کہ نمامی گنگا پروگرام کی کامیابی کے لیے شہری ترقیات کی وزارت کا تعاون بہت اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ گنگا عملی منصوبہ سے حاصل ہونے والے تجربہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے ان کی وزارت نے پی پی پی ماڈل پر مبنی ہائبرڈ اینوئٹی طرز کو اختیار کیا ہے۔ وزیر موصوفہ نے کہا کہ ضلع سطح پر صلاح دینے کے لیے کمیٹی تشکیل دی جائے گی تا کہ نمامی گنگا پروگرام کی تیزی سے نفاذ کی نگرانی کی جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ اگر چہ پہلے مرحلے میں دس شہروں میں شروع کیا جائے گا لیکن دھیرے دھیرے مزید شہروں میں بھی شروع کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس پروگرام کی کامیابی کے لیے ضلعی انتظامیہ اور میونسپل ادارے کی شمولیت ضروری ہے۔ تقریب کو حیدرآباد سے خطاب کرتے ہوئے شہری ترقیات کے وزیر جناب ایم وینکیا نائیڈو نے کہا کہ ان کی وزارت اس پروگرام کا اٹوٹ حصہ ہے۔

یوم آزادی پر پولیس میڈل کا اعلان

☆اس سال یوم آزادی کے موقع پر 948 اہلکاروں کو پولیس میڈل دیے گئے ہیں۔ بہادری کے لیے 7 اہلکاروں کو صدر جمہوریہ پولیس میڈل، 170 اہلکاروں کو پولیس میڈل، امتیازی خدمات کے لیے 88 اہلکاروں کو صدر جمہوریہ پولیس میڈل اور قابل ستائش خدمات کے لیے 683 اہلکاروں کو پولیس میڈل دیے گئے ہیں۔ اس سال یوم آزادی کے موقع پر 19 اہلکاروں کو صدر جمہوریہ کریکشنل سروس میڈل دیے گئے ہیں۔ ان میں اہلکاروں کو نمایاں خدمات کے لیے صدر جمہوریہ کریکشنل سروس میڈل اور 17 اہلکاروں کو قابل ستائش خدمات کے لیے کریکشنل سروس میڈل شامل ہیں۔ میڈل یافتگان کی تفصیل وزارت داخلہ کی ویب سائٹ www.mha.nic.in اور پی آئی بی کی ویب سائٹ www.pib.nic.in پر دستیاب ہے۔

دیوکی جین

خواتین کے متنوع کردار:

سماجی بنیادی ڈھانچے کی ضرورت

پلاننگ کے عمل میں شامل سروے میں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ عورتوں سے خصوصی طور پر ان کی آراء لی جائیں ، جس میں مرکوز مباحثہ گروپ کا ذریعہ بھی شامل ہو۔ خواتین کمیونٹی قیادت کی شناخت ہونی چاہئے اور اسے ان طبقوں میں شامل کیا جانا چاہیے جو مختلف سیکٹر جیسے کہ بنیادی ڈھانچہ ، عام زمینوں کا استعمال، قدرتی ذرائع اور روزگار کے تحت تشکیل دی جاسکتی ہیں۔

مصنفہ پدم بھوشن ایوارڈیافتہ، گاندھیائی، ماہر معاشیات اورامور عامہ پر لکھتی ہیں۔
devakijain@gmail.com

اس مضمون میں، ہم ان پالیسیوں سے بحث کریں گے جنہیں سماجی پالیسی سمجھا گیا ہے یا پھر جن کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ صحت تعلیم اور عورتوں کی دوسری ضروریات میں سماجی تعاون فراہم کرتی ہیں۔ ان پالیسیوں سے اگر بہتر نتائج برآمد کرنا ہے تو انہیں غریب عورتوں کی ضروریات کے تناظر میں دیکھا جانا ضروری ہے۔ اسی لیے یہاں دلیل یہ ہے کہ کم سے کم مراعات یافتہ طبقے کے درمیان، سب سے زیادہ اقتصادی طور پر محروم دور دراز کے پسماندہ علاقے، خواتین کو خاندان اور ماحول کے لیے پیداواری اہم ایجنٹ کے طور پر تسلیم کرنا، ان سماجی ضروریات کو سمجھنے اور جاننے کے لیے پیشگی شرط ہونی چاہئے۔

عورتوں کو ایک ایجنٹ تسلیم کرنا جو خود اپنی زندگیوں اور دوسروں کی زندگیوں میں تبدیلی لاتی ہیں، یہاں تک کہ اپنے خاندانوں اور برادریوں کے مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تبدیلیاں لاتی ہیں، سماجی پالیسی کے لئے ایک اہم بنیاد ہونا چاہئے۔ سماجی پالیسیوں میں اکثر یہ تصور ہوتا ہے کہ عورتیں کچھ کمزور ہوتی ہیں اور انہیں مدد کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے لیے انتظام وانصرام کرنے کی کم صلاحیت ہوتی ہے اور عام طور پر مردوں اور بیرونی دنیا کے ماتحت ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں، جب ہم خاص طور پر ان خاندانوں یا گھرانوں کو دیکھتے ہیں جہاں اقتصادی پیمانہ بہت نیچے چلا جاتا ہے اور جہاں غریب لوگ ہوتے ہیں اور غربت حاوی ہوتی ہے، وہاں یہ صورت حال اس کے برعکس ہے۔

ایسے گھرانوں کے زیادہ تر انتظامات و ضروریات، چاہے وہ بنیادی ضروریات ہوں جیسے پانی، ایندھن، خوراک اور دیکھ بھال، خواتین کی طرف سے فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اکثر گھرانوں میں خواتین وہ سب کچھ لانے کی کوشش کرتی ہیں چاہے وہ پیسہ ہو یا پھر اس جیسی چیزیں۔ قحط جیسی انتہائی پریشان کن صورتحال میں، جب خشک سالی والے علاقوں میں زرعی زمینیں بے کار ہو جاتی ہیں، اور ان کی رسائی کھانے پینے کی چیزوں تک نہیں ہو پاتی، تو یہ عورت ہی ہوتی ہے جو ان کی جڑیں کھودتی ہے، رکاوٹوں کو دور کرتی ہے اور اپنے اہل خانہ کو کچھ کھلانے کے راستے تلاش کرتی ہے۔

خاندانوں، برادریوں اور معاشرے کی بقا میں خواتین کے اہم کردار کے بارے میں یہ اس نقطہ کی تعمیر کی اہم بنیاد ہے، جسے سماجی تعاون کی پالیسی کہا جا سکتا ہے۔ نوبل انعام یافتہ مصنف امرتیہ سین نے کہا ہے:

’’ہمیں بنی نوع انسان کے ایک ویژن کی ضرورت ہے، مریض کی طرح نہیں جس کے مفادات کا خیال رکھنا ہے بلکہ ایک ایجنٹ کے طور پر جو انفرادی اور مشترکہ طور پر مؤثر چیزیں کرسکتا ہے۔ ہمیں انسانوں کے کردار سے آگے جانا ہے خصوصاً 'صارفین' یا 'ضرورت مند فرد' سے، اور ان کے ایک ایجنٹ کے طور پر عام کردار کو مزید وسیع انداز میں سوچنا پڑے گا جو سوچ سکتا ہے، جائزہ لے سکتا ہے، اندازہ لگا سکتا ہے، متاثر کرسکتا ہے، حل کرسکتا

ہے، تحریک دے سکتا ہے اور ان وسیلوں سے دنیا کو ایک نئی شکل دی جا سکتی ہے۔''

خواتین کے لیے کئی رکاوٹیں ہیں جنہیں سماجی تعاون یا مدد والی سماجی ترقی کی پالیسیوں کے ذریعہ ضرورت کے مطابق دور کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلی رکاوٹ وہ ہے کہ انہیں کس طرح سمجھا جاتا ہے۔ 1970 کے عشرے کے اوائل میں گھریلو سروے میں جمع کیے گئے اعداد وشمار جن کی بنیاد پر پالیسیاں تیار کی گئیں، جس میں عورتوں کو کم قابل زمرے میں ڈال دیا گیا جنہیں بیوہ یا مسکین وغیرہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ انہیں بنیادی طور پر سماجی بہبود کی خدمات کی ضرورت ہے۔ عورتوں کی تحریک کے ارکان کی طرف سے یہ ثابت کرنے میں کئی دہائیاں لگ گئیں کہ عورتیں ہر کمیونٹی اور معاشرے میں اہم اقتصادی ایجنٹ ہیں اور اس وجہ سے ان کے ساتھ صرف فلاحی آبجیکٹ کے جیسا سلوک نہیں کیا جا سکتا بلکہ انہیں اسی طرح قبول کیا جانا چاہیے جو معیشت میں اپنا حصہ ادا کرتے ہیں اور اس لیے یہ اہم تھا کہ ان کے کردار کا اعتراف کیا جائے، اور ان کے کام کاج کے بہتر نتائج برآمد کرنے کے لیے ان کے کارناموں کو قبول کرنا بھی ضروری امر تھا۔

فی الحال دنیا بھر میں ایک مضبوط دستاویز ہے جو اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ بچوں اور بزرگوں، اور گھر کے کام کی دیکھ بھال کے سلسلے میں خواتین کے کردار کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ اسے حصول مال تصور کیا جانا چاہیے کیونکہ جو وقت وہ اس پر خرچ کرتی ہیں بلکہ تمام اوقات، وہ مالی طور پر ادائیگی کیے جانے کے قابل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دن کے ایک بڑے حصے میں اس قسم کے کام کرتی ہیں جو انہیں باہر جانے اور پیسہ کمانے کے مواقع سے محروم کر دیتا ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنا بہت ضروری ہے۔

اس لیے خواتین کے کاموں کو تسلیم کرنا یا کام کی تعریف کو وسعت دینا تاکہ جس طرح کا کام خواتین کرتی ہیں ان کو سمجھا جائے، ان کا شمار ہو اور ان کی قدر ہو سکے، یہ خواتین کے لئے کچھ کرنے کا پہلا قدم ہے جو ان کی زندگی کو بہتر کرے گا اور انہیں فعال بنائے گا۔

انفرادی طور پر اور گھرانوں کے اعتبار سے اعداد وشمار جمع کرنے میں ڈرامائی بہتری کی ضرورت ہے۔ اعداد وشمار جمع کرنے کے نظام میں مردوں کو پورے گھر کا ان داتا تصور کیا جاتا ہے اور عورتوں کو ضمنی حیثیت یا صرف ان کے تابع کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ تاہم، بھارت اور بیرون ملک ہونے والے مطالعات نے نہ صرف عورتوں کے ذریعے دیے گئے وقت بلکہ ان کی اقتصادی شراکت کو بھی ظاہر کیا ہے، یہاں تک کہ اگر اس سے پیسہ نہ بھی ملے تو اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے خواتین خاص طور پر زمین سے محروم اور غریب گھرانوں میں سماجی اور اقتصادی سطح پر مردوں سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر اپنا حصہ ادا کرتی ہیں۔ لہذا، بہتر اعداد وشمار انہیں سمجھنے اور خواتین کے لئے پالیسی کے نتیجوں کو جاننے کے لئے اہم ہیں۔

سب سے زیادہ معیاری روزگار سوالنامے، اور خاص طور پر بھارتی سوالنامہ، گھر کے ہر فرد کی کارکردگی کو ایک فارمیٹ جیسے گھریلو سرگرمیاں جن میں خاتون شامل ہے یا جس میں شامل نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وہ جز وقتی طور پر پیداواری کاموں میں شامل ہے، کی وضاحت کرتا ہے۔

رینا نا جھابوالا نے اپنے مطالعے میں بھی یہی نقطہ پیش کیا ہے:

''خواتین کو اکثر کام کرنے والے کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا اور ان کا کام پوشیدہ رہتا ہے۔ یہ دونوں اس وجہ سے ہے کیونکہ وہ غیر رسمی معیشت میں کام کرتی ہیں جو اکثر مخفی ہوتی ہے۔ خاندان اور اسی طرح برادری کی سطح پر، معیشت میں خواتین کی شراکت اور ان کا کام، فی الحال ان کی کوئی گنتی نہیں ہے خصوصاً جب خاتون گھر میں رہ کر کام کرنے والی ہو، گھریلو کاموں کے ذریعہ کمانے والی ہو یا دیکھ بھال کرنے والی ہو یا پھر خاندانی تجارت یا کھیتی باڑی میں بغیر کسی ادائیگی کے کام کرنے والی ہو۔ اس لیے انہیں گرہستن یا بچوں کو نگہداشت فراہم کرنے والے کے طور پر دیکھنے کی بجائے ان کے ملازم والے کردار پر توجہ دیتے ہوئے، اس حقیقت کو آشکار کرنا چاہیے کہ خواتین ایک اقتصادی ایجنٹ ہیں جو اپنے گھروں اور معیشت میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں اور اسی لیے انہیں معیشت کا مرکوز اور اسی طرح سماجی پالیسیوں کا مرکز بھی تصور کیا جانا چاہیے۔''

گیارہویں پنج سالہ منصوبہ (2007-2012) کی تیاری کے دوران، پلاننگ کمیشن نے ماہرین اقتصادیات خواتین کے ایک گروپ، حقوق نسواں کے حامی ماہرین اقتصادیات کا گروپ (WGFE) کا قیام کیا۔ جس کے ذمے نہ صرف 'خواتین اور ترقی' کے باب کا مسودہ تیار کرنا تھا جو کہ روایتی طریقۂ کار ہے بلکہ اس کے ذمے وہ اہم ابواب بھی تھے جو بنیادی ڈھانچے، صنعت، زراعت وغیرہ کا احاطہ کرتے تھے۔ جب یہ ابواب تیار ہو گئے تو اس گروپ کی طرف سے دی گئی تجاویز میں سے ایک یہ تھی کہ 'بنیادی ڈھانچہ کی ترقی' باب، جو کہ بجٹ الاٹ کیے جانے کے لحاظ سے اہم ہے، ایسے میں کوئی چیز 'سوشل انفراسٹرکچر' یا 'سافٹ انفراسٹرکچر' جیسی بھی ہونی چاہئے۔

سافٹ انفراسٹرکچر کا مطلب خدمات کا تعاون ہے، جنہیں غریب ترین لوگوں میں سب سے غریب خواتین کے لئے نافذ کرنے پر غور کیا جا رہا ہے تاکہ کمیونٹی اور معیشت میں ان کی شراکت ہو سکے۔ مثال کے طور پر، ایک آئیڈیا یہ ہے کہ ایک کمپلیکس تیار کیا جائے جہاں معاون نظام جیسے پانی کے ذرائع، کریچ، بلواڑی، اور اسی طرح غسل خانے یہاں تک کہ مطبخ اور کپڑے دھونے کی جگہیں بھی ایک ہی کمپلیکس کے اندر موجود ہوں۔ یہ کمپلیکس ان کی خدمات فراہم کرنے کے لئے موجودہ فنڈز کے ذریعہ بنایا جائے۔ اسے بنیادی ڈھانچے کے تحت بھی رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں عمارت کی تعمیر، بجلی اور دوسری خدمات میں سرمایہ کاری کی ضرورت ہوگی جو اکثر بڑی دفتری عمارتوں اور احاطوں کو دیے جاتے ہیں، جو شہروں میں متوسط یا امیر طبقے کے لیے ہوتے ہیں۔

اس طرح، معاشرے میں کمزور طبقوں کی ایک خاتون جو غربت میں پھنسی ہے، اپنے گھر کے کام کاج اپنی بڑی بیٹی پر چھوڑنے کی بجائے، اسے ایک کمیونٹی بلڈنگ سروسز سے حاصل کر سکتی ہے کیونکہ ان میں سے اکثر ایندھن اور پانی لانے کے لئے میلوں دور چلنا پڑتا ہے۔ وہ، اپنے بچے کو کریچ میں چھوڑ سکتی ہے اور عام ایندھن میں

چپاتیاں پکاسکتی ہے اور کپڑے دھوکر کام پر جاسکتی ہے۔

سب سے زیادہ چونکا دینے والے اعداد وشمار جو 1970 میں پالیسی سازوں کی توجہ میں لائے گئے تھے اس میں سے ایک خاتون کی شرح اموات اور خواتین کی کام کاج میں شمولیت کی شرح کے درمیان ترقی کو دکھانا تھا۔ 20-35 سال کی عمر کے مخصوص ٹیبل میں خواتین کی شرکت کی شرح زیادہ تھی۔ تاہم، اس عمر کے گروپ میں ہم نے خواتین میں سب سے بلند شرح اموات کو بھی محسوس کیا تھا۔ یہ صورتحال خصوصاً بھارت کے سب سے غریب علاقوں میں تھی، جہاں غریب لوگوں کی کثیر آبادی ہے جسے عام طور پر BIMARU ریاستیں: بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان، اتر پردیش کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے اعداد وشمار اپنے گھر والوں کے لیے زندگی حاصل کرنے کے لیے عورتوں کی مجبوریوں یا ان پر دباؤ کے درمیان رابطے کو ظاہر کرتے ہیں، جن کا اثر اس کی صحت پر ہوتا ہے کیونکہ ان کو اور بھی خدمات انجام دینے ہوتے ہیں۔ لہذا، جب ہم آبادی کے غریب ترین طبقے کے مسائل حل کرنے جارہے ہیں تو سماجی بہبود اور سماجی پالیسی خدمات کو خواتین کے اقتصادی کردار سے گہرائیوں کے ساتھ منسلک کرنے کی ضرورت ہے۔

تاہم، یہ اقدامات اسی وقت موثر ہوسکتے ہیں جب ہم عورتوں اور محروم گروپ پر خاص توجہ دیا جائے تاکہ انہیں پلاننگ میں اولیت دی جائے۔ جیسے کہ پلاننگ کے عمل میں شامل سروے میں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ عورتوں سے خصوصی طور پر ان کی آراء لی جائیں، جس میں مرکوز مباحثہ گروپ کا ذریعہ بھی شامل ہو۔ خواتین کمیونٹی قیادت کی شناخت ہونی چاہئے اور اسے ان طبقوں میں شامل کیا جانا چاہیے جو مختلف سیکٹر جیسے کہ بنیادی ڈھانچہ، عام زمینوں کا استعمال، قدرتی ذرائع اور روزگار کے تحت تشکیل دی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆

مواصلات کا تبدیلی کے عمل میں اہم رول ہے : وینکیا نائیڈو

☆اطلاعات ونشریات اور شہری ترقی، ہاؤسنگ اور شہری غربت کے خاتمے کے مرکزی وزیر جناب ایم وینکیا نائیڈو نے کہا کہ وزیر اعظم جناب نریندر مودی کی قیادت میں این ڈی اے حکومت نے مواصلات کو تبدیلی کے پہیے میں ایک دانت کے طور پر رکھا ہے۔ حیدر آباد کے انڈین اسکول آف بزنس میں انڈین انفارمیشن سروس (آئی آئی ایس) کے اعلیٰ حکام کے لیے وسط کیریئر تربیتی پروگرام کی اختتامی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک عمل کے طور پر مواصلات کو ایک پالیسی میٹرکس میں تبدیل کیا گیا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ حکمرانی اور کم سے کم حکومت ہے۔ انہوں نے کہا ''آج ہم فوری مواصلات کے عہد میں زندگی بسر کر رہے ہیں، ذرائع ابلاغ کی تصویریں اور آلات ہمارے فکری عمل کو مسلسل اثر انداز کرتے ہیں۔ ہمیں متواتر اپنی فہم اور تصور کو ادارہ جاتی ہنر مندی کی ترقی کے پروگرام کے ذریعہ از سر نو جدت بخشنے کی ضرورت ہے۔ بعد ازاں وزیر موصوف نے آئی ایس بی کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ حصہ ہے اور ''کوئی اس پر سوال نہیں کرسکتا ہے۔'' جی ایس ٹی بل، جسے پارلیمنٹ نے منظوری دے دی ہے، تجارتی منظرنامے پر یقینی طور پر تبدیلی کا باعث بنے گا۔

یوم آزادی فائر سروس، ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل کا اعلان

☆اس سال یوم آزادی کے موقع پر 67 اہلکاروں کو فائر سروس میڈل دیے گئے ہیں۔ بہادری کے لیے چار اہلکاروں کو صدر جمہوریہ فائر سروس میڈل، چار اہلکاروں کو فائر سروس میڈل، امتیازی خدمات کے لیے 10 اہلکاروں کو صدر جمہوریہ فائر سروس میڈل اور قابل ستائش خدمات کے لیے 49 اہلکاروں کو فائر سروس میڈل دیے گئے ہیں۔ اس سال یوم آزادی کے موقع پر 49 اہلکاروں کو ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل دیے گئے ہیں۔ بہادری کے لیے چار اہلکاروں کو صدر جمہوریہ ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل، ایک اہلکار کو ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل، امتیازی خدمات کے لیے چار اہلکاروں کو صدر جمہوریہ ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل اور قابل ستائش خدمات کے لیے پچاس اہلکاروں کو ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل دیے گئے ہیں۔

سووچھ یُگ مہم

☆ عملے، نوجوانوں کے امور اور کھیل کود کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) جناب وجے گوئل نے کہا ہے کہ پینے کے پانی اور صفائی ستھرائی کی وزارت نے نوجوانوں کے امور اور کھیل کود کی وزارت اور آبی وسائل، دریاؤں کی ترقی اور گنگا کی صفائی کی وزارت نے ساجھیداری میں سووچھ یگ مہم شروع کی ہے، جس میں پانچ ریاستوں، اتراکھنڈ، اتر پردیش، بہار، جھارکھنڈ اور مغربی بنگال میں گنگا دریا کے کنارے تمام گاؤوں کو کھلے میں رفع حاجت سے پاک (او ڈی ایف) بنانا شامل ہے۔ انہوں نے ایوان کو ایک تحریری جواب میں بتایا کہ دریائے گنگا کے کنارے 5 ریاستوں کے 52 اضلاع میں 1651 گرام پنچایتوں کے تحت 4257 گاؤوں آتے ہیں۔ ان میں 1020 گاؤوں (23.96 فیصد) کو 19 جولائی 2016 کو او ڈی ایف قرار دیا جاچکا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر جیوتی اٹوال

ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں خواتین کا کردار

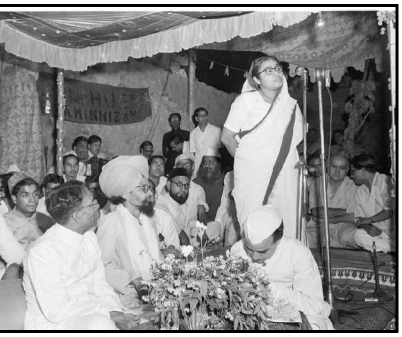

ہندوستان کی قومی تحریک کثیر جہتی اور متعدد پیچیدہ مراحل پر مشتمل ہے۔ 19ویں صدی کے آخر سے 1947 تک قومی مباحثوں میں سماجی اصلاحات کا مدعا چھایا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی اور قومی مدعوں پر خواتین کا شعور بیدار ہوتا رہا۔ آئینی اصلاحات اور برطانوی قانون ساز کونسلوں میں ہندوستان کی شمولیت ہندوستانی قومی تحریک کا اولین مرحلہ تھا۔ 1880 کی دہائی سے ہندوستانی مرد و خواتین سماجی اصلاح کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ملک بھر میں خواتین کی مختلف سوانح عمریوں اور تصنیفات میں ایک نعرے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ ذاتی، سیاست ہے۔ خواتین کا مردوں کے غلبے والا سماجی اصلاح کے کاموں میں آگے آئے گا، اس بات کا غماز تھا کہ ماضی سے اقدار میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ (کویتا مسی 2007)

1920 میں ہندوستان کی آزادی کے لئے چلائی گئی گاندھی تحریک میں خواتین کی ٹیم ایک بڑی تعداد میں شامل ہوئی۔ گاندھی جی نے اندرون خانہ اور بیرون خانہ خواتین کے کردار کی ماہرانہ تشریح پیش کی۔ 1920 کے اواخر تک تحریک آزادی کو سماجی بنیاد عطا ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی گاندھی اور علاقائی اصلاح کار بچوں کی شادی اور بیواؤں کی شادی جیسے سماجی مسائل کے حل کے لئے کوشاں تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مستقبل کی ہندوستانی قوم کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے۔۔ 19ویں صدی کی تعلیمی اصلاحات اور سماجی تبدیلیوں کے پڑھنے لکھنے والے عوام نے ایک نئے طبقے کو جنم دیا جس میں خواتین کی نمائندگی بہت کم تھی۔ اخبارات کے ذریعہ پھیلی تعلیمی اور سیاسی بیداری نے تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کیا۔ 19ویں صدی کی خواتین کی تنظیمیں ملک بھر میں نمودار ہوگئیں۔ 1908 میں رقیہ سخاوت حسین جو بنگال کی ایک ماہر تعلیم اور کہانی نگار تھیں ''سلطانہ کا خواب'' (Sultana's Dream) لکھا۔ اس کہانی نے قارئین کو خواتین کے اپنے حکمرانی نظام سے متعارف کرایا۔ بنگال میں خواتین کے مزید بنیاد پرست گروپ نمودار ہوئے۔ سرلا بنی پرساد، رابندر ناتھ ٹیگور کی بھتیجی نے 1910 میں ''بھارت استری مہامنڈل'' قائم کیا۔ انہوں نے ہندو احیا کو سیاسی مظاہروں سے جوڑ دیا۔ انہوں نے ہندوؤں کے تیوہار اشٹھمی کو بیرا شٹھمی کے طور پر منایا تا کہ ماضی کے فاتحین کے کارناموں کو خراج عقیدت پیش کیا جا سکے۔

صدی کے موڑ پر ممبئی ہندوستانی قومی کانگریس کی تمام سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ بنگال میں بیشتر خفیہ سوسائٹیاں تھیں۔ خواتین کو سودیشی کی مہم کے لئے اپنے خاندانوں کی حمایت حاصل تھی۔ اس مہم میں غیر ملکی کپڑے کا بائیکاٹ اور شراب کی دکانوں کی ناکہ بندی شامل تھی۔ بنگال میں قومیت بھارت ماتا کی بنیاد پر ایک فرقہ ابھر رہا تھا۔ سال 1882 میں بنکم چندر چٹوپادھیائے (1838 تا 1894) نے آنند مٹھ تحریر کی جس میں ان ہندوستانی انقلابیوں کا ذکر کیا جنہوں نے مادر وطن کے لئے اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ ان کا مقبول عام ترانہ ''بندے ماترم'' نو آبادیاتی مخالف ہندوستانیوں اور انجمنوں کے لئے مستقبل کا ترانہ بن گیا۔

خواتین کی شرکت کے دوسرے مرحلے میں ہوم رول اور آئینی موقف حاوی رہا۔ اس میں چند مغربی خواتین نے اہم کردار ادا کیا۔ نصف آئرش اور نصف انگریزی خاتون اینی بیسان (1847 تا 1933) 1917 میں ہندوستانی قومی کانگریس کی پہلی خاتون صدر بنیں۔ مزاج کے اعتبار سے صوفی اور سماجوادی اقدار کی پابند بیسان ایک تربیت یافتہ مہم باز تھیں جن کا تعلق لندن سے تھا۔ انہوں نے آئرلینڈ کی طرز پر ہوم رول کی تحریک چلائی۔ ان کی رفیق کار مارگریٹ کنز یز (1878 تا 1954) میں ہندوستانی خواتین کے حق رائے دہی کے

ایسوسی ایٹ پروفیسر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی
: jyoti_atwal@mail.jnu.ac.in

بل کا مسودہ تیار کیا اور خواتین کی ہندوستانی انجمن (وومنس انڈین ایسوسی ایشن) قائم کی۔ 1917 کے قریب سروجنی نائیڈو (1879 تا 1949) ایک قابل قدر قومی شخصیت کے طرز پر ابھریں۔ 1925 میں وہ ہندوستانی قومی کانگریس کی بننے والی دوسری خاتون صدر تھیں۔ نائیڈو نے 1905 میں بنگال کی تقسیم کے خلاف احتجاجات کے دوران ہندوستان کی قومی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ 1915 سے 1918 کے درمیان انہوں نے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے خواتین کے اختیارات اور قومیت کے مدعوں پر خطاب کئے۔ وہ خواتین کی ہندوستانی انجمن سے بھی قریبی طور پر وابستہ رہیں اور لندن میں خواتین کے حق رائے دہی کے وفد کی قیادت کی۔

تیسرے مرحلے میں پہلی جنگ عظیم اور 1919 میں جلیان والا باغ سانحہ کے بعد قوم کے طرز فکر میں تبدیلی آئی۔ اور آزادی کے سوال پر ملک کے عوام متحد ہونے لگے۔ 1919 کے اوائل میں برطانیہ نے رولٹ قانون نافذ کر کے عوامی اجتماعات، مظاہروں پر پابندی عائد کر کے انسانی آزادی پر قدغن لگا دیا۔ 13 اپریل کو جب گاندھی جی نے پرامن احتجاج یا ستیہ گرہ اور عدم تعاون کی آواز اٹھائی تو امرتسر (پنجاب) کے عوام نے بڑی تعداد میں اس پرامن احتجاج میں حصہ لیا۔ ایک ہزار سے زائد ان پرامن مظاہرین پر اندھا دھند گولیاں برسا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ نوآبادیاتی تشدد کے اس واقعہ نے 22-1920 میں دوسرے مرحلے یعنی عدم تعاون تحریک کی راہ ہموار کی۔ پروگرام کا آغاز عدالتوں اور اسکولوں کے بائیکاٹ سے شروع ہوا جو سودیشی تحریک سے ایک قدم آگے تھا۔ خواتین کی آزاد تنظیموں مثلاً راشٹریہ استری سنگھ کو ضلع کانگریس کمیٹیوں سے وابستہ کر دیا گیا۔ عدم تعاون تحریک بنگال سے نکل کر ملک کے دیگر حصوں تک پہنچ گئی اور ملک بھر سے خواتین نے حصہ لینا شروع کر دیا۔ یہ تحریک ہندو مسلم اتحاد کی علامت بن گئی۔ احمد آباد میں بی اماں (علی برادران کی والدہ) نے 6000 خواتین کو خطاب کر کے نا کہ بندی میں مردوں کا ساتھ دینے کی ترغیب دی۔ گاندھی جی نے بھی درج فہرست طبقوں اور حاشیہ بردار طبقوں کی خواتین سے اپیل کی۔ آندھرا پردیش میں فعال درگا بائی نے ہزاروں دیوداسیوں (روایتی طور پر مندروں کی طوائف) گاندھی جی کا خطاب سننے کے لئے جمع کیا۔ اس ٹیم نے زیورات کی شکل میں چندے کے طور پر 20000 روپے جمع کئے۔ ہندو بیواؤں کی بڑی تعداد نے ان کو بہت متاثر کیا۔ یہ وہ خواتین تھیں جنہیں ستیہ گرہ میں کسی تربیت کی ضرورت نہیں تھی اور گاندھی جی کے لئے وہ معقول مجاہدین آزادی تھیں۔ وہ نہایت مناسب شرکاء تھیں۔ ایک بیوہ کے ذاتی تیاگ کو سیاسی نظریہ میں آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ اگر چہ گاندھی جی زیادہ تر بیواؤں کو شرکت کے لئے راضی کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن انہوں نے بیوگی کے مسئلہ کو مدعا بنا لیا۔ ہندو بیواؤں کے اس سیاسی نقطہ نظر کو استعمال کر کے گاندھی جی اس دبی ہوئی اور مسلسل جد و جہد کے لئے لوگوں کو بیدار کیا۔ اس لحاظ سے یہ ناگزیر ہو گیا کہ نوآبادیاتی ہندوستان کے بعد زمانے میں جد و جہد میں مصروف بیوہ ماں نوآباد مخالف قوم کے خوش حال مستقبل کی علامت نہ بن پائے۔ (اٹوال 2016)۔

گاندھی جی نے ان بیواؤں کے تیاگ کے جذبے کو لبیک کہا کیوں کہ انہوں نے خود سے اپنی جنسی طاقت کو روحانی قوت میں بدل لیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انہوں نے مجرد رہنے کی قسم کھائی تھی۔

قومی تحریک کے اگلے مراحل میں خواتین کی شرکت میں اضافہ ہوگا۔ 1920 کے بعد اس سیاسی ہلچل میں ایک کتاب بعنوان مدر انڈیا شائع ہوئی۔ اس کی مصنفہ کیتھرین مایو ایک امریکی خاتون تھیں جو دو سال کے ہندوستان کے دورے پر آئی تھیں۔ انہوں نے ہندو مردوں کی تیکھی تنقید کی اور خانہ دار خواتین کی غلاموں جیسی زندگی کا ذکر کیا۔ اس کتاب کو مستقبل کے عالمی عوام واقعات کا درجہ ملنا طے تھا (مرنالنی سنہا 2006)۔ ان واقعات میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ انیسویں صدی سے ہندو خاندان عوامی تجزیہ کے لئے قومیت کے علمبرداروں اور اصلاح کاروں کے ذریعہ چلائی جانے والی قومیت کی تحریکیں خاندان پر توجہ دینے اور گھروں کو تشدد سے پاک کرنے پر مجبور تھیں۔ اس کتاب کی عدم مقبولیت ملک کے باہر زیادہ تھی۔ اس میں ہندوستانی مرد و خواتین کو قومی وقار کا یکساں دعویدار مانا گیا تھا۔ 1930 کی دہائی کا دیگر اہم واقعہ عوامی نافرمانی تحریک تھا۔ یہ بنیادی طور پر علاقائی طور پر تیار کئے جا رہے نمک پر عائد کئے گئے ٹیکسوں کے چوبیس روز کا لمبا جلوس نکالا گیا۔ اب خواتین کو جلوسوں، بائیکاٹ اور پربھات پھیریوں میں شرکت کرنے کے لئے جسمانی تربیت دی جانے لگی تھی۔ خواتین نے اپنی اپنی انجمنوں میں حب الوطنی کے گروپ قائم کر لئے تھے۔ اس کو دیش سیویکا سنگھ کہا جاتا تھا۔ خواتین نے گرفتاریاں دیں اور پرامن مظاہروں میں حصہ لیا لیکن چند خواتین نے شدت پسند گروپوں میں شمولیت اختیار کر لی یا برطانوی افسران کو ٹھکانہ لگانے میں انقلابیوں کی مدد کی۔

جو خواتین 1930 کی دہائی میں جیل گئیں، ان میں سے چند اہم خواتین میں سروجنی نائیڈو، متھولکشمی ریڈی، مارگریٹ کزنیز، کملا دیوی چٹوپادھیائے شامل ہیں۔ ان خواتین کا تعلیم آزاد اور دقیانوسی خاندانوں، شہری اور دیہی اضلاع سے تھا۔ یہ خواتین غیر شادی شدہ بھی تھیں اور شادی شدہ بھی نوجوان بھی تھیں اور معمر بھی۔ ان سب نے ایک ساتھ نوآبادیاتی نظام کے خلاف مورچہ سنبھالا (فوربس 2005)

مردوں کے جیل چلے جانے کے بعد خواتین کی انجمنوں نے نافرمانی تحریک کی باگ ڈور سنبھال لی اور اجلاس طلب کئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے گاندھی جی کے کپڑا بننے کے تعمیری کام میں بھی ساتھ دیا اور بھوکے رہ کر اپنے احتجاج کا مظاہرہ کیا۔ 1930 کی دہائی کے متعدد واقعات ان خواتین کے بارے میں ہیں۔ ان میں سے کچھ کو سیویکا یا اسکاؤٹ کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 1930 میں لکھنؤ میں کانگریس کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اپنی یادداشت میں شورانی دیوی جو معروف ہندی

ناول تھا اور منشی پریم چند کی بیوی نے لکھا ہے جیسے ہی خواتین پولیس لاری میں بیٹھ گئیں، وہ مہاتما گاندھی اور بھارت ماتا کی جے کے نعرے لگانے لگیں۔ وہ سات تھیں، ایک انسپکٹر اور سات کانسٹبل تھے ۔ تمام خواتین حب الوطنی کے گیت گانے لگیں۔ جب انسپکٹر اتر کر چلا گیا تو انہوں نے اپنے پاس کرنے سے قبل انسپکٹر نے 50 خواتین کو گرفتار کیا تھا۔ وہ جیل نہیں لے جائی گئیں بلکہ شہر سے دور کسی مقام پر پہنچا کران کو چھوڑ دیا گیا۔ مہیلا آشرم کے ایک عوامی اجلاس میں 12000 سے زائد کا مجمع تھا۔ شورانی نے ایک دھماکے دار تقریر کی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کو گرفتار کیا جاسکتا ہے۔

نومبر 1931 میں غیر ملکی کپڑے کی ناکہ بندی کرنے کی پاداش میں شورانی کو سات دیگر خواتین کے ساتھ دوبارہ گرفتار کرلیا گیا۔ (اٹوال 2007) شورانی دیوی نے عدم تعاون تحریک میں بھی حصہ لیا۔

ایک مرتبہ جب خواتین میں قومیت کا جذبہ بیدار ہوگیا تو انہوں نے سیاسی آزادی کے حصول کے لئے بھی متعدد طریقہ تلاش کرنے شروع کردیئے۔ ایک دیگر اہم حب الوطن ادارہ، ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن میں درگا دیوی یا درگا بھابی (1907 تا 1999) نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ اور ان کے شوہر بھگوتی چرن ووہرا ایچ ایس آر اے کے رکن تھے۔ انہوں نے بھگت سنگھ کے ساتھ اس ٹرین میں سفر کیا تھا جب وہ ہلاکتوں کے بعد بھیس بدل کر فرار ہوگئے تھے۔

انقلابی شرکت کا ایک اور واقعہ چٹاگانگ اسلحہ خانے کا 1930 ہے۔ کلپنا دت (1913 تا 1995) نے ہندوستان ری پبلک آرمی کی چٹاگرام شاخ میں شمولیت اختیار کی۔ یہ مئی 1931 میں سوریہ سین کی قیادت میں بنا ایک مسلح مزاحمتی گروپ تھا۔ انہوں نے 1931 میں چٹاگانگ میں یوروپی کلب پر حملہ کرنے میں پریتی لتا واریدار کا ساتھ دیا تھا۔ اس حملے سے ایک ہفتہ قبل ان کو اس علاقہ کا جائزہ لیتے وقت گرفتار کرلیا گیا تھا۔ گرفتاری کے بعد ضمانت پر رہا ہونے پر وہ روپوش ہوگئی تھیں۔ 17 فروری 1933 کو پولیس نے ان کے خفیہ ٹھکانے کا محاصرہ کرلیا اور سوریہ سین کو گرفتار کرلیا لیکن کلپنا فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ چٹاگانگ اسلحہ خانہ پر حملہ کے سلسلے میں عدالتی کارروائی میں کلپنا کو تاعمر منتقلی کی سزا دی گئی۔ ان کو 1939 میں رہا کیا گیا۔

1930 میں کملا دیوی چٹوپادھیائے (1903 تا 1988) گاندھی تحریک خصوصا ستیہ گرہ کی اہم رہنما کے طور پر ابھریں۔ بعد میں آزاد ہندوستان میں وہ ہندوستانی دست کاری ہتھ کرگھا اور تھیٹر میں مصروف ہوگئیں۔ کملا دیوی نے کانگریس کے فیصلوں میں کبھی کوئی اہم رول نہیں نبھایا کیوں کہ وہ گاندھی، نہرو اور سوشلسٹوں کے تکونی تعلقات میں گھری تھیں۔ حکومت ہند نے ان کو 1955 میں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا اور 1987 میں ہندوستان کے اعلی ترین اعزاز پدم وبھوشن سے نوازا۔ ان کو 1966 میں رومن میگسیسے ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ یہ ایوارڈ سماجی خدمات کے لئے عطا کیا گیا۔ انہیں سنگیت ناٹک اکیڈمی کو فیلوشپ اور سنگیت ناٹک اکیڈمی کا اعلی ترین اعزاز رتنا سدسیہ سے بھی سرفراز کیا گیا۔ یہ اعزاز ان کو 1974 میں ان کی لائف ٹائم اچیومنٹ کے طور پر دیا گیا تھا۔

ان کے برعکس سروجنی نائیڈو کا سیاست میں زیادہ دخل تھا۔ 1925 میں نائیڈو نے کانپور میں انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔ 1929 میں انہوں نے جنوبی افریقہ میں مشرقی افریقی ہندوستانی کانگریس کی صدارت کی۔ ان کو برطانوی حکومت نے ہندوستان میں پلیگ کی وبا پھیلنے کے دوران کئے گئے کام کے اعتراف میں ''قیصر ہند'' کے خطاب سے نوازا۔

1930 میں انہوں نے گاندھی اور مدن موہن مالویہ کے ساتھ گول میز کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ انہوں نے تحریک نافرمانی میں نمایاں کردار ادا کیا تھا اور گاندھی و دیگر رہنماؤں کے ساتھ جیل گئی تھیں۔ 1942 میں ہندوستان چھوڑو تحریک میں ان کو دوبارہ گرفتار کرلیا گیا تھا۔ بعد میں وہ آگرہ اور اودھ کی متحدہ ریاستوں کی پہلی خاتون گورنر مقرر کی گئیں۔ یہ تقرری 1947 سے 1949 تک رہی۔

ایک دیگر قومی رہنما ارونا آصف علی (1909 تا 1996) تھیں جنہوں نے کانگریس میں اور باہر قابل احترام مقام حاصل کیا۔ ان کو بھارت چھوڑو تحریک 1942 کے دوران ممبئی کے گوالیہ ٹینک میدان میں انڈین نیشنل کانگریس کے پرچم لیڈر کے لئے یاد کیا جاتا جاتا ہے۔ 1958 میں ان کو دہلی کا پہلا میئر منتخب کیا گیا۔ ان کو ہندوستان کا اعلی ترین شہری اعزاز بھارت رتن 1997 میں بعد از مرگ عطا کیا گیا۔ آصف علی سے شادی کے بعد وہ کانگریس کی ایک فعال رکن بن گئی تھیں اور انہوں نے ستیہ گرہ کے دوران انہوں نے عوامی مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ان کو آوارگی کے الزام میں قید کرلیا گیا تھا۔ اور 1931 میں گاندھی۔ ارون معاہدے کے تحت جس میں تمام سیاسی قیدیوں کو آزاد کرنے کی بات کی، قید سے آزاد کیا گیا تھا۔ ان کے بغیر دیگر خواتین قیدیوں نے بھی جیل سے باہر نکلنے سے انکار کردیا تھا جو بعد میں موہن داس کرم چند گاندھی کی مداخلت پر راضی ہوگئی تھیں۔ ایک عوامی احتجاج کے بعد ان کو رہا کیا گیا تھا۔ 1932 میں ان کو تہاڑ جیل میں قید کردیا گیا جہاں انہوں نے سیاسی قیدیوں کے ساتھ کئے جارہے برتاؤ کے خلاف بھوک ہڑتال شروع کردی۔ ان کی ان کوششوں کی وجہ سے وہاں کے حالات میں بہتری واقع ہوئی لیکن فورا ان کو امبالہ بھیج کر ایک اکیلی کوٹھری میں قید کردیا گیا۔ اپنی رہائی کے بعد وہ سیاست میں سرگرم نہیں رہیں۔ 8 اگست 1942 کو کل ہند کانگریس کمیٹی نے ممبئی اجلاس کے دوران ہندوستان چھوڑو قرارداد پاس کی۔

مختصر یہ کہ اگر ہندوستانی خواتین کی قومی تحریک شرکت اس وقت کے وکٹوریہ اخلاقیات اور مدر انڈیا کے جذبات زیر اثر تھے لیکن وہ خواتین جنہوں نے قومی مہمات میں حصہ لیا، ان میں سے بیشتر کا تعلق اونچے متوسط طبقے سے تھا۔ حالیہ برسوں میں دلت اور قبائلی خواتین قومی تاریخ میں حصہ داری کا دعوی پیش کررہی ہیں۔ ایسی ہی تاریخیں زیر قلم آنے کی منتظر ہیں۔

☆☆☆

شیلندر شرما/ ڈاکٹر ششی رنجن جھا

ہندوستان میں

اسکولی تعلیم کا صنفی سیاق وسباق

تعلیم کی مختلف سطحوں کی تکمیل کے سلسلے میں عدم مساوات میں بھی گزشتہ برسوں میں استقلال دیکھنے میں آیا ہے۔ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو عدم مساوات کا تجربہ ہونے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسکولی تعلیم کی تکمیل کے سلسلے میں بڑی تشویش دولت کے لحاظ سے عدم مساوات ہے۔ لڑکیوں کی محنت کے اخراجات اور جلد شادیاں سنگین چیلنج بنی ہوئی ہیں۔

مصنفین ایجوکیشن اینڈ اسکلس ڈیولپمنٹ، آئی پی ای گلوبل لمیٹڈ میں بالترتیب وائس پریذیڈنٹ اور منیجر ہیں۔
shalendersharma@ipeglobal.com
sjha@ipeglobal.com

خواتین کو بااختیار بنانے کا نظریہ ترقیاتی گفتگو اور تقاریر میں کلیدی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ترقیاتی گفتگو اور تقاریر میں خواتین کو بااختیار بنانے کی مرکزیت کا قریبی طور سے تعلق سماج میں مواقع کی مساوات کی راہوں سے جوڑا جاتا ہے لیکن عملاً خواتین کو بااختیار بنانے کے نشانے کا حصول کم وبیش ایک فریب ہی رہا ہے۔ خواتین کو نظر انداز اور الگ تھلگ کئے جانے کے ثبوت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی نظر انداز کردہ اور الگ تھلگ کئے جانے کے عمل پر قابو پانے کے لئے پالیسی مداخلت اور اقدامات غیر موثر ہیں۔

ترقیاتی عمل میں بنیادی دہرے پن کا معاملہ سماجی فیصلہ سازی کے عمل میں خواتین کی شرکت کو نظر انداز کرنے کی صورت میں منعکس ہوتا ہے۔ ایک طویل تاریخ ہے جو ہمیں اس حقیقت کی یاد دلاتی ہے کہ اس طرح کا دہرا پن لازمی طور سے خواتین کو ان کے حقوق اور مواقع سے محروم کئے جانے کا ایک اظہار ہے۔

صنف نیز نظر انداز اور الگ تھلگ کئے جانے کے معاملے کو سماجی انصاف کے وسیع تر سیاق وسباق میں سمجھنا ہوگا۔ ایک سماج کا اقتصادی نظام نظر انداز اور الگ تھلگ کئے جانے کی نوعیت اور طریقے کی توضیح کرتا ہے۔ جب کہ نظر انداز اور الگ تھلگ کئے جانے کا عمل اور وجود یقینی طور سے اس اقتصادی نظام کے نامیاتی ڈھانچے سے آگے جاتے ہیں۔ حقیقی معنی میں نظر انداز اور الگ تھلگ کئے جانے کی تصدیق پہچان، وقار اور اخراج کی اشکال سے کئے جانے کی ضرورت ہے جو ان مواقع میں شامل کی جاتی ہیں جو کہ تعلیم کی اعلی سطحوں تک خواتین کی رسائی کو ڈھالتے ہیں۔ فی الواقع اس کی وجہ سے عمومی طور سے خواتین نیز خصوصی طور سے سماجی طور سے محروم گروپوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے لئے سماجی علاحدگی عمل میں آتی ہے۔

سماج میں خواتین کی ماتحتی نیز تعلیم کے سلسلے میں مستقل نظام طبقات کے نتیجے میں پالیسی سطح پر صنفی عدم مساوات کے بارے میں حمایت سامنے آئی ہے۔ ریزرویشن کے حق میں آوازیں اٹھا کر یا خواتین کے لئے خصوصی ادارے کھول کر تعلیم کے سلسلے میں خواتین کی صورت میں حال بہتر بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں لیکن مشکل سے ہی ایسی کوئی مستقل کوشش کی گئی ہے جس سے فی الواقع نہ صرف شرکت سے متعلق نظریات بلکہ پہچان، وقار اور اخراج کی اشکال کے ساتھ بھی مصروف عمل ہو سکے۔ تعلیم کے سلسلے میں خواتین کو نظر انداز اور الگ تھلگ کئے جانے کا معاملہ اگر زیادہ سے زیادہ نہیں تو موثر طور سے برقرار رکھا جاتا ہے۔

ملک میں پالیسی حلقے میں لڑکیوں کی تعلیم کے معاملے کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا جا رہا ہے۔ بارہویں پنج سالہ منصوبے میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینا ایک اہم معاملہ ہے۔ اس میں نہ صرف

اس بات کو روبرو رکھا گیا ہے کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے قدم بہ قدم چلنے کے قابل بنایا جائے بلکہ اس بات کا اعادہ بھی کیا گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کو اس تناظر سے دیکھا جانا چاہئے جیسا کہ تعلیم کے بارے میں قومی پالیسی 1986 میں کہا گیا ہے، جس کے مطابق تعلیم کو تبدیلی کی ایک طاقت ہونا چاہئے، اس سے خواتین میں خوداعتمادی پیدا ہونی چاہئے۔ اس سے خواتین میں خوداعتمادی پیدا ہونی چاہئے نیز سماج میں ان کی حیثیت بہتر ہونی چاہئے لیکن بارہویں منصوبے کی مدت کے دوران زیادہ سخت گیری دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ مداخلتوں کو اس طرح سے وضع کیا جانا چاہئے کہ تعلیم کے سلسلے میں صنفی مساوات کے اصولوں کو معیار کا ایک معاملہ اور مساوات کا ایک معاملہ دونوں سمجھا جائے۔ شاید صرف صنف کے لحاظ سے حساس نصاب تعلیم، تعلیمی طریقے، اساتذہ کی تربیت اور جائزے تیار کرنے کی بجائے ''کچھ زیادہ'' کرنے کی ضرورت ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم

روایتی طور سے جب تعلیمی موقع کا معاملہ آتا ہے تو تمام سماجوں نے عورتوں پر مردوں کو ترجیح دی ہے۔ تعلیم کے حصول اور خواندگی کی شرحوں میں عدم مساوات سے آج ان طریقوں کا پتہ چلتا ہے جنہیں ماضی کی سماجی اور تعلیمی پالیسیوں نیز طریقوں نے ڈھالا ہے۔ نتیجے کے طور پر فی الواقع تمام ملکوں کو کسی نہ کسی قسم کی صنفی عدم مساوات کا سامان ہے۔ اس ٹھوس باہمی تعلق کے پیش نظر جو جی ڈی پی اور تعلیمی حصول کے درمیان موجود ہے، تمام ملکوں کے پاس اپنے تمام انسانی وسائل کا بہترین ممکنہ استعمال کرنے کے لئے ترغیبات ہیں۔ تعلیم اور صنف کے بارے میں تبادلہ خیالات کرنے کے سلسلے میں صنفی انصاف اور صنفی برابری کے درمیان فرق کرنا مفید ہے۔ وقت کو وہ تھوڑا سا زائد کام کرنا ہے جو صنفی انصاف کو یقینی بنانے کے لئے درکار ہے۔

تعلیم کے بارے میں قومی پالیسی 1986

(1992 میں ترمیم کی گئی ہے)

تاریخی طور سے آزادی کے بعد سے مختلف تعلیمی پالیسیوں میں تعلیم کے سلسلے میں مساوات اور برابری پر زور دیا گیا ہے۔ خاص طور سے تعلیم کے بارے میں قومی پالیسی (این پی ای) 1992/1986 میں عدم مساوات کو ختم کرنے پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ تعلیم کو خواتین کی حیثیت میں بنیادی تبدیلی لانے کے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا جانا چاہئے۔ اس بات پر غور کیا گیا تھا کہ اس پالیسی سے خواتین کے حق میں ایک بخوبی تشکیل کردہ منصوبے کے ذریعے ماضی کی مجتمع کردہ غلط بیانوں کے اثر کو ختم کیا جا سکے گا۔ اس سے ازسرنو وضع کردہ نصاب تعلیم، نصابی کتابوں، اساتذہ، فیصلہ سازی اور منتظمین کی تربیت اور تعین سمت نیز تعلیمی اداروں کی سرگرم شمولیت کے ذریعے نئی اقدار کو فروغ ملے گا۔ خواتین کی ناخواندگی اور ابتدائی تعلیم تک ان کی رسائی نیز انہیں برقرار رکھنے کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے معاملے کو خصوصی امدادی خدمات کے اہتمام، مدتی نشانوں کے قیام اور موثر نگرانی کے ذریعے اعلی ترجیح ملے گی۔ پیشہ ورانہ نصابات میں جنس کے معاملے میں ایک ہی رنگ پر قائم رہنے کا سلسلہ ختم کرنے کے لئے نیز غیر روایتی پیشوں میں اور موجودہ اور ظہور پذیر ٹکنالوجیوں میں خواتین کی شرکت کو فروغ دینے کے لئے عدم امتیازی کی پالیسی پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔ این پی ای کی پالیسی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے متعدد ریاستی اور قومی تعلیمی پروگرام مثلاً بنیادی تعلیم کا پروگرام، او بی بی، ڈی پی ای پی، ایس ایس اے اور آر ایم ایس اے وضع کئے گئے ہیں۔ مفت اور لازمی تعلیم کے لئے بچوں کے حق سے متعلق قانون 2009 (آر ٹی ای قانون) ملک میں ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں ایک اہم سنگ میل تھا۔

نئی تعلیمی پالیسی 2016 کے مطابق چیلنج

(این ای پی 2016 کے مسودے کے لئے کچھ مواد)

این ای پی 2016 کے لئے مواد اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ نوجوان اور بالغوں کی خواندگی کی شرحوں میں نسبتاً زیادہ صنفی فرق ایک اہم چیلنج بنا ہوا ہے۔ ہندوستان کو نوجوانوں کی شرح خواندگی میں صنفی فرق (8.2 فی صد عدد) کی زیادہ سطح کے ذریعے متصف کئے جانے کا سلسلہ جاری ہے۔ 2011 میں مردوں اور عورتوں کی آبادی (15 سے 24 سال کی عمر) کے لئے نوجوانوں کی شرح خواندگی بالترتیب 90 فی صد اور 81.8 فی صد تھی۔ ہندوستان بالغوں کی خواندگی میں صنفی فرق کو زیادہ سطح (19.5 فی صد عدد) والا ملک بھی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ لڑکیوں اور خواتین کی خواندگی کی سطحوں میں اضافہ کرنے کے لئے بڑی کوششیں کئے جانے کی ضرورت ہے۔

> ایک مرد کو تعلیم دے کر آپ ایک فرد کو تعلیم یافتہ بناتے ہیں لیکن ایک عورت کو تعلیم دے کر آپ ایک پوری قوم کو تعلیم یافتہ بناتے ہیں۔
>
> -مہاتما گاندھی

تعلیم میں لڑکیوں کی شرکت میں اضافہ کرنے کے لئے پروگرام

عورتوں کے لئے تعلیمی مواقع کی توسیع کے عمل میں تیزی لانے کے لئے حکومت ہند نے متعدد پروگرام شروع کئے ہیں جن میں ابتدائی سطح میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے قومی پروگرام (این پی ای جی ای ایل) مہیلا ساماکھیا (ایم ایس) کستوربا بالیکا ودیالیہ (کے جی بی وی) بھی شامل ہیں۔ زیادہ حال ہی میں حکومت ہند نے اس پیکیج میں دو بڑے پروگرام سبلا (ایس اے بی ایل اے) اور بیٹی بچاؤ اور بیٹی پڑھاؤ شامل کئے ہیں۔

سبلا (ایس اے بی ایل اے) حکومت ہند کا مرکزی طور سے اسپانسر کردہ ایک پروگرام ہے جو خواتین اور بچوں کی ترقی کی وزارت کے یکم اپریل 2011 کو شروع کیا گیا ہے۔ یہ پروگرام ملک کی تمام ریاستوں/ مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے منتخبہ 200 اضلاع میں تمام آئی سی ڈی ایس پروجیکٹوں کے تحت 11 سے 18 سال تک کی عمر کی نوعمر لڑکیوں کا احاطہ کرے گا۔ اس اسکیم کے بنیادی مقاصد نوعمر لڑکیوں کو خود سے ترقی کرنے اور بااختیار بننے کے قابل بنانا، ان کی صحت اور غذائیت کی

صورت میں بہتری لانا، صحت، حفظان صحت، غذائیت، نوعمر میں تولیدی صلاحیت اور جنسی صحت، کنبے اور بچوں کی دیکھ بھال کے بارے میں بیداری پھیلانا ہیں۔ اس پروگرام کا مقصد گھر پر مبنی ان کی ہنرمندیوں، زندگی کے ہنرمندیوں اور پیشہ ورانہ ہنرمندیوں کو بہتر بنانا بھی ہے۔ اس پروجیکٹ میں درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والی نوعمر لڑکیوں کو رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے دائرے میں واپس لانے کا کام بھی شامل ہے۔ موجودہ عوامی خدمات مثلاً ابتدائی صحتی مراکز، ڈاک خانوں، بینکوں، پولیس اسٹیشنوں وغیرہ کے بارے میں نوعمر لڑکیوں کی رہنمائی کی جائے گی۔

بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ پروگرام کا مقصد خواتین کے لئے مقصود فلاح و بہبود کی خدمات کے بارے میں بیداری پیدا کرنا اور ان کی اثر پذیری کو بہتر بنانا ہے۔ یہ اسکیم 100 کروڑ روپے (15 ملین امریکی ڈالر) کے ابتدائی سرمایہ سے شروع کی گئی تھی۔ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ (بی بی بی پی) اسکیم بچوں کی جنس کے گھٹتے ہوئے تناسب (سی ایس آر) کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے اکتوبر 2014 میں شروع کی گئی تھی۔ اس اسکیم پر تمام ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کا احاطہ کرتے ہوئے کم سی ایس آر والے 100 منتخبہ اضلاع میں ایک قومی مہم اور مرکوز کثیر شعبہ جاتی اقدام کے ذریعے عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ یہ خواتین اور بچوں کی ترقی کی وزارت، صحت اور خاندانی بہبود کی وزارت نیز انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت کی ایک مشترکہ پہل ہے۔

شرح خواندگی

حالیہ حصولیابیوں اور چیلنجوں کا تجزیہ

ہندوستان دنیا بھر میں 774 ملین ناخواندہ بالغوں میں سے ایک تہائی سے زیادہ ناخواندہ لوگوں (287 ملین) کا مسکن ہے۔ دنیا کے کل ناخواندہ لوگوں میں سے دو تہائی ناخواندہ افراد خواتین ہیں۔ یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ 50 فی صد افراد کا اسکول میں کبھی بھی داخلہ نہیں ہوا ہے نیز دیگر 50 فی صد ناخواندہ افراد کا تاخیر سے اسکول میں داخلہ ہوا ہے اور انہوں نے اسکولی تعلیم کا سلسلہ جلد ہی چھوڑ دیا ہے۔

مردوں اور عورتوں دونوں میں ہی خواندگی کی شرحوں میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ 1911 اور 2011 (ایک صدی) کے درمیان ایک موازنے سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کی شرح خواندگی 1911 میں 10.1 سے بہتر ہوکر 2011 میں 82.1 ہوگئی (71.5 فی صد عدد کا اضافہ) جبکہ خواتین کی شرح خواندگی 1911 میں 1.1 سے بہتر ہوکر 2011 میں 65.5 ہوگی (64.4 فی صد عدد کا اضافہ)۔ گزشتہ صدی کے لئے مردوں اور عورتوں کی شرح خواندگی کے درمیان فرق کے لحاظ سے یہ شرح 1911 میں 9.5 فی صد عدد سے بڑھ کر 2011 میں 16.6 فی صد عدد ہوگئی۔ سماجی زمرے کے ذریعے الگ الگ کردہ اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کی شرح خواتین کی مجموعی شرح خواندگی کے مقابلے میں کم ہیں۔

مردوں اور عورتوں دونوں میں خواندگی کی شرحوں میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ 1911 اور 2011 (ایک صدی) کے درمیان ایک موازنہ سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کی شرح خواندگی 1911 میں 10.1 سے بہتر ہوکر 2011 میں 82.1 ہوگئی (71.5 فی صد عدد کا اضافہ) جب کہ خواتین کی شرح خواندگی 1911 میں 1.1 سے بہتر ہوکر 2011 میں 65.5 ہوگی (64.4 فی صد عدد کا اضافہ)۔ گزشتہ صدی کے لئے مردوں اور عورتوں کی شرح خواندگی کے درمیان فرق کے لحاظ سے یہ شرح 1911 میں 9.5 فی صد عدد سے بڑھ کر 2011 میں 16.6 فی صد عدد ہوگئی۔ سماجی زمرے کے ذریعے الگ الگ کردہ اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کی شرح خواندگی ایس سی اور ایس ٹی کے لئے بالترتیب 56.5 فی صد اور 49.4 فی صد ہیں جو خواتین کی مجموعی شرح خواندگی کے مقابلے میں کم ہیں۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق کیرالہ میں ملک کی سب سے زیادہ شرح خواندگی تھی جہاں مجموعی شرح خواندگی 94 فی صد تھی (مرد 96.1 فی صد اور خواتین 92.1 فی صد) جس کے بعد لکش دیپ، میزورم، گوا اور تریپورہ کا نمبر تھا۔ شرح خواندگی کے پیمانے پر سرفہرست 10 میں مرکز کے زیر انتظام 6 علاقے اور 4 ریاستیں (کیرالہ، میزورم، گوا اور تری پورہ) ہیں۔ یہی چار ریاستیں خواندگی کے لحاظ سے بھی ریاستوں میں سرفہرست ہیں۔ دوسری طرف بہار میں خواتین کی سب سے کم شرح خواندگی (51.5 فی صد) ہے جس کے بعد راجستھان، جھارکھنڈ اور جموں وکشمیر کا نمبر ہے۔ خواتین کی سب سے کم شرح خواندگی والی 10 ریاستوں میں ایس سی کی اکثریت والی (بہار، راجستھان اور اترپردیش)، ایس ٹی کی اکثریت والی (ایم پی، اوڈیشہ، چھتیس گڑھ، اروناچل پردیش) اور مسلمانوں کی اکثریت والی ریاست (جموں وکشمیر) کا ایک امتزاج ہے۔ چناں چہ کم شرح خواندگی والی ریاستوں میں کوئی مخصوصیت نہیں ہے۔ کچھ مثبت علاقوں میں سے پہلی علامت یہ ہے کہ گزشتہ دہے کے دوران ان ریاستوں نے نمایاں پیش رفت (زیادہ تر دو عددی) کی ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ ہندوستان نے گزشتہ دہے کے دوران سماج میں 217 ملین خواندہ لوگوں کا اضافہ کیا ہے جہاں خواتین کی تعداد (110 ملین) مردوں کی تعداد (107 ملین) سے زیادہ ہوگئی ہے۔

صنفی تناسب

اسکولوں میں لڑکیوں کے زیادہ سے زیادہ فی صد کو یقینی بنانے کے لئے اہم مظاہر میں ایک مظہر آبادی میں لڑکیوں کی دستیابی ہے۔ ہندوستان مجموعی صنفی تناسب 1901 میں 972 سے کم ہوکر 1951 میں 941 اور 2011 میں مزید کم ہوکر 940 ہوگیا۔ تاہم 2001 کی سطح سے تھوڑا سا اضافہ ہوا ہے (933)۔ جو بات مایوس کن ہے وہ صفر تا 6 سال کی عمر کے گروپ کا صنفی تناسب ہے جو 2011 میں اب تک کا سب سے کم (914) پایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آئندہ برسوں میں اسکولوں میں لڑکوں کے مقابلے میں کچھ ہی لڑکیاں ہوں گی۔ صفر تا 6 سال کی عمر کے گروپ میں صنفی تناسب کا چارٹ دو شمال مشرقی ریاستوں (میزورم 971 اور

میگھالیہ(970) کے زیرقیادت ہے۔ دوسری طرف دو ترقی پذیر ریاستوں میں ملک کا سب سے کم صنفی تناسب ہے۔(ہریانہ 830اور پنجاب 846)۔

اسکول نہ جانے والی لڑکیاں

ایم ایچ آر ڈی کے ذریعہ کرائے گئے ایک حالیہ مطالعہ کے مطابق اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد 6.01 ملین زیادہ ہے جو کہ کل آبادی کا تقریباً 3فی صد حصہ ہے۔ اس طرح کے سروے کے ذریعے اسکول نہ جانے والے بچوں کے فی صد کا تخمینہ 2006 میں تقریباً 7فی صد اور 2009 میں 4.2فی صد لگایا گیا تھا۔ اسکول نہ جانے والے بچوں کی صنفی تقسیم سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکوں (2.77فی صد) کے مقابلے میں اسکول نہ جانے والی لڑکیوں کی تعداد (3.23فی صد) زیادہ ہے۔ اسکول نہ جانے والی لڑکیوں کا سب سے زیادہ فی صد راجستھان (7.5فی صد) اترا کھنڈ (5.2فی صد) اور اترپردیش (4.6فی صد) میں بتائی جاتی ہے۔ دوسری طرف میزورم اور کیرالہ جیسی ریاستیں ہیں جہاں لڑکوں کے مقابلے میں اسکول نہ جانے والی لڑکیوں کا سب سے کم فی صد ہے۔ جیسا کہ رپورٹ میں ذکر کیا گیا ہے، اسکول نہ جانے والی لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجوہات گھریلو کاموں میں مدد کرنا یا چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کرنا ہیں۔ (اسکول نہ جانے والی لڑکیوں کے فی صد کا طریقہ دیہی (3.36فی صد) اور شہری (2.86فی صد) علاقوں میں زیادہ مختلف نہیں ہے۔

اسکولوں میں لڑکیوں کا فی صد

قومی سطح کے مختلف پروگراموں کے نتیجے میں لڑکیوں کے فی صد میں تمام سطحوں پر کافی اضافہ ہوا ہے۔ خاص طور سے سروشکسا ابھیان (ایس ایس اے) کے دوران اعلی ابتدائی سطح پر لڑکیوں کا فی صد 2005-06 میں 45.8 سے بڑھ کر 48.2فی صد ہو گیا۔

یو ڈی آئی ایس ای 2014-15 کے اعداد و شمار کے مطابق سرکاری اور نجی اسکولوں میں لڑکیوں کے داخلوں کے فی صد میں کافی فرق ہے۔ یہ فرق تمام سطحوں (ابتدائی، اعلی ابتدائی اور ثانوی اور اعلی ثانوی) پر دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن تعلیم کی اعلی سطحوں کے لئے آگے بڑھنے پر یہ فرق کم ہو جاتا ہے۔ اس بات کا ذکر کرنا برمحل ہے کہ اعلی درجوں میں لڑکیوں کے فی صد میں گزشتہ دہے میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً آٹھویں کلاس کی سطح پر لڑکیوں کا فی صد 2005-06 میں 45فی صد سے بڑھ کر 2013-14 میں 49فی صد ہو گیا۔

لڑکیوں کے زیادہ فی صد کا سبب گزشتہ دہے وغیرہ کے دوران شروع کردہ لڑکیوں کی تعلیم کی متعدد اسکیموں کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں اس طرح کی اسکیموں کا مختصر ذکر کیا گیا ہے:

درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والی لڑکیاں

اسکولوں میں لڑکیوں کی شرکت کو بہتر بنانے کی غرض سے شروع کئے گئے مختلف پروگرام اور اٹھائے گئے مختلف اقدامات کے باوجود درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والی لڑکیوں کی زیادہ شرحیں اب بھی تشویش کی اہم وجہ ہیں۔ اسکول نہ جانے والے بچوں کے (او او ایس سی) کے بارے میں ایم ایچ آر ڈی کی 2014 کی رپورٹ کے تخمینوں سے پتہ چلتا ہے کہ کل او او ایس سی میں سے درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والے لڑکوں کا فی صد تقریباً 36.5فی صد اور لڑکیوں کا فی صد 37.5فی صد ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق لڑکیوں کے اسکول نہ جانے کی سرفہرست پانچ وجوہات حسب ذیل ہیں:

1۔ غریبی/معاشی وجہ (23.9فی صد

2۔ تعلیم میں لڑکی کی دلچسپی نہیں ہے (17.5فی صد-

3۔ لڑکی کو کنبے کی آمدنی کے سلسلے میں تعاون کرنا ہوتا ہے (11.6فی صد

4۔ لڑکی کسی معذوری یا خراب صحت سے متاثر ہوتی ہے (10.8فی صد

5۔ گھریلو کاموں میں لڑکی کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے (8.7فی صد

درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والے بچوں کی اوسط سالانہ شرح سے پتہ چلتا ہے، جس کا حساب یو ڈی آئی ایس ای 2014-15 کے اعداد و شمار کا استعمال کر کے لگایا گیا ہے کہ تمام سطحوں پر درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی شرح درمیان زیادہ انحراف نہیں ہے لیکن درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے والے بچوں کی مجموعی شرح اعلی ابتدائی سطح پر کہیں زیادہ پائی گئی ہے (لڑکے 3.1فی صد، لڑکیاں 4.5فی صد)۔ شاید یہ وہ سطح ہے جہاں توجہ مرکوز کئے جانے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں اسکولوں کے فاصلوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، لڑکیوں میں حیاتیاتی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں نیز اسکول جانے کی سہولت تک سماج رسائی کو بھی یقینی بنائے جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حکومت کو یہ بات یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ کم سے کم بنیادی ڈھانچہ اسکولوں میں دستیاب ہو تاکہ بنیادی ڈھانچے کی کمی کی وجہ سے لڑکیوں کے (لڑکوں کے بھی) درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے کے معاملے میں کمی لائی جاسکے۔ اس سلسلے میں آر ٹی ای قانون میں کم سے کم بنیادی ڈھانچے کی فہرست دی گئی ہے جیسے تمام ابتدائی اسکولوں میں دستیاب کرائے جانے کی ضرورت ہے۔ اس میں پینے کے پانی، لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ بیت الخلا، داخلوں کے مطابق کلاس روم اور اساتذہ، کھیل کا میدان، لائبریری، ریمپ وغیرہ جیسی بنیادی سہولیات شامل ہیں۔ دیگر باتوں کے علاوہ لڑکیوں کے علاحدہ بیت الخلاؤں کی دستیابی بھی درمیان میں ہی اسکولی تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دینے کی شرح کو کم سے کم رکھنے کے سلسلے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک اور اہم عنصر اسکولوں میں خاتون اساتذہ کی دستیابی ہے۔ حالیہ (2014-15) یو ڈی آئی ایس ای اعداد و شمار کے مطابق پورے اسکولی نظام میں تقریباً 46.7فی صد

خاتون اساتذہ دستیاب ہیں۔ لیکن جو بات زیادہ اہم ہے، وہ اسکول میں خاتون اساتذہ کی تعیناتی ہے۔ گزشتہ برسوں میں ابتدائی سطح پر خاتون اساتذہ والے اسکولوں کے فی صد میں یکساں طور سے اضافہ ہوا ہے۔

اوپر دیئے گئے خاکہ 8 اور خاکہ 9 سے ان گروپوں کے لئے این اے آر دکھا کر دولت اور دیگر موجود کلیدی نابرابریوں کے درمیان بین کردار کے بارے میں کچھ تفصیل فراہم ہوتی ہے، خاکہ 8 سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دیگر ذات گروپ، جو روایتی طور سے نظر انداز اور الگ تھلگ کردہ نہیں ہیں، باقی زمروں کے مقابلے میں قدرے خوش حال ہیں جب کہ خاکہ 9 سے پتہ چلتا ہے کہ شہری بچے دیہی بچوں کے مقابلے میں قدرے خوش حال ہیں۔ دونوں خاکوں سے پتہ چلتا ہے کہ بیشتر معاملات میں لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیاں قدرے بدحال ہیں۔ لیکن ان خاکوں سے جس بات کا واضح طور سے پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ سب سے بڑا فرق غریبی کی صورت حال کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلے میں سماجی گروپ یا رہائشی علاقوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ غریب ترین لوگ ہمیشہ ہی امیر ترین لوگوں کے مقابلے میں کافی بدحال ہوتے ہیں۔ یہ پیغام اس ثبوت کے ذریعے خاکہ ایک میں مزید ظاہر کیا گیا ہے کہ دیگر (زیادہ مراعات یافتہ) ذات کے زمرے سے تعلق رکھنے والی غریب ترین لڑکیوں کے مقابلے میں امیر ترین ایس سی لڑکیاں 20 فی صد عدد زیادہ کل حاضری تناسب کی حامل ہیں۔

صنف اور دولت گروپ کے ذریعے 2007 اور 2014 میں آبادی میں 12 سے 25 سال کی عمر کے بچوں کے لئے ابتدائی اسکول کی تکمیل کی شرحیں دی گئی ہیں۔ ابتدائی اور اعلی ابتدائی دونوں کی سطح پر تکمیل کی شرحوں میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ لڑکیوں کے لئے پیش رفت موثر کن رہی ہے۔ ابتدائی تکمیل میں مجموعی صنفی عدم مساوات 2007 اور 2014 کے درمیان 10 فی صد عدد سے کم ہو کر 5 فی صد عدد ہو گئی۔ یہ کمی دولت گروپ میں دیکھنے میں آئی ہے۔ لیکن ابتدائی کی تکمیل میں دولت کا فرق (کیو 5 کیو 1) ابتدائی سطح پر کافی نمایاں رہا ہے۔ تکمیل کے سلسلے میں فرق غریب ترین اور امیر ترین زمرے کے درمیان موازنہ کرنے پر مردوں کے مقابلے میں خواتین کے لئے کہیں زیادہ ہے۔ دولت گروپوں کے درمیان ابتدائی کی تکمیل کے سلسلے میں فرق 18 عدد دیکھا گیا تھا جب کہ خواتین کے لئے یہ 2014 میں 27 عدد تھا۔

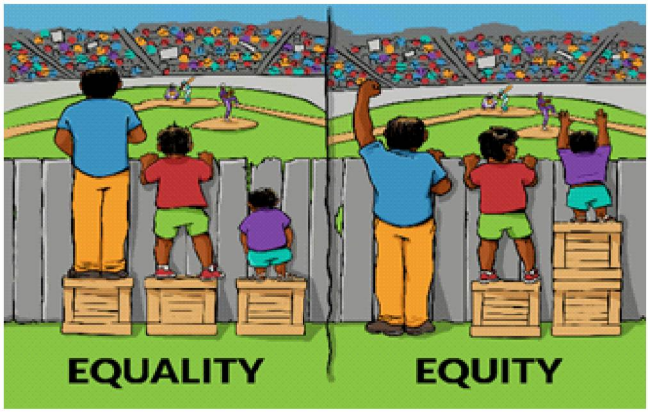

یہ عدم مساوات صرف ابتدائی اور اعلی ابتدائی کی تکمیل کی شرحوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ ثانوی سطح تک بھی پائی جاتی ہے۔ گریڈ 10 کے پاس فی صد میں بین ریاستی صنفی بنیاد میں نمایاں فرق موجود ہے۔ آسام میں ریاستی بورڈ سے امتحان دینے والے بچوں میں گریڈ 10 کے پاس فی صد میں سب سے زیادہ صنفی فرق تھا۔ یہ نتیجہ اس وجہ سے اہم ہے کہ ان ریاستوں میں لڑکیوں کا کم پاس فی صد ہے، جو کم ترقی کی مخصوص خصوصیات کی حامل ہیں۔

تعلیمی حصولیابی کے تعلق سے حوصلہ افزا ثبوت ملا ہے۔ این سی ای آر ٹی کے ذریعے کئے گئے کلاس دس کے طلبا کے تازہ ترین قومی حصولیابی سروے کے مطابق لڑکیوں کی تعلیمی حصولیابی لڑکوں سے کم نہیں ہے۔ لڑکوں کے 248 کے مقابلے میں انگریزی زبان میں لڑکیوں کے لئے مجموعی اوسط نمبر 252 ہیں۔ اس طرح سے جدید ہندوستانی زبان (ایم آئی ایل) میں اوسط نمبر لڑکیوں کے نمبر 254 اور لڑکوں کے نمبر 246 ہیں۔ لیکن ریاضیات، سائنس اور سماجی سائنس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے نمبر ٹھیک برابر ہر ایک کے (250) ہیں۔

خلاصہ اور سفارشات

اس مضمون میں ہندوستان میں پڑھائی میں شرکت تلاش کی گئی ہے جس کی شروعات اس سوال کے جواب سے کی گئی ہے کہ ہندوستان میں خواندگی کی شرحوں کے طریقے کیا ہے نیز وہ کیسے بدلتے رہے ہیں؟ اس مضمون میں تجزیے میں ان کلیدی امور کی نشاندہی کرنے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے جو تعلیم میں صنفی سیاق وسباق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ حصوں میں تبادلہ خیالات کیا گیا ہے، ہندوستان نے گزشتہ دو دہوں میں بنیادی تعلیمی مظاہر کو بہتر بنانے کے سلسلے میں نمایاں پیش رفت کی ہے۔ آبادی کی اوسط تعلیمی حصولیابی میں اضافہ ہو رہا ہے نیز داخلوں کے لئے مانگ ابتدائی سے رفتہ رفتہ ثانوی سطح کے لئے منتقل ہو رہی ہے۔ لیکن اگر مساوی تعلیمی موقع کا نشانہ حاصل کرنا ہے تو کافی چیلنج باقی ہیں۔ اس بات پر غور کرنا اہم ہے کہ درحقیقت ابتدائی سطح پر داخلے کی تقریباً ہمہ

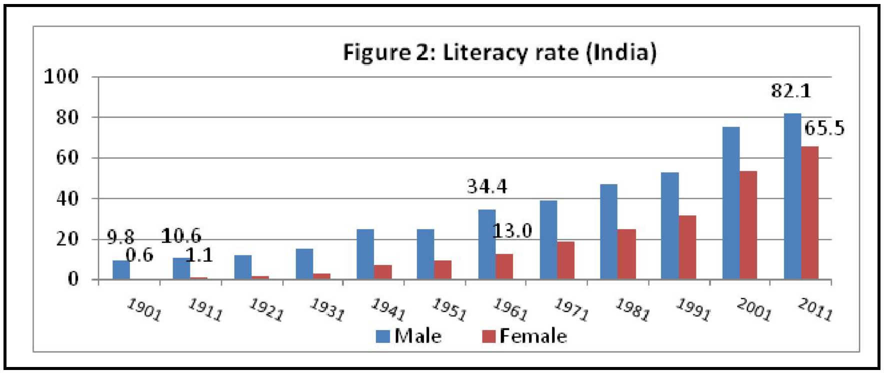

گیر مجموعی شرحیں مندرجہ ذیل اہم حقائق چھپاتی ہیں۔

i۔اگر چہ داخلوں کی شرحوں میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن لڑکیوں کو کہیں نچلے گریڈوں میں داخلہ دیا جاتا ہے جب کہ انہیں ان کی عمر کے حساب سے داخلہ دیا جانا چاہئے۔

ii۔جو لڑکیاں آخرکار ابتدائی سلسلہ مکمل کر لیتی ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں زیادہ عرصہ گزارتی ہیں جو انہیں گزارنا چاہئے۔ چناں چہ وہ عام طور سے پڑھائی کے زیادہ اخراجات اٹھاتی ہیں۔

iii۔ابتدائی سطح پر کم عمر اور زیادہ عمر کی لڑکیوں کی بڑی تعداد کی موجودگی (اسکول میں تاخیر سے/جلد داخلے نیز دہرانے کی وجہ سے) تعلیمی چیلنج پیش کرتی ہے۔

iv۔داخلوں کی شرحوں میں بہتریوں کے باوجود اسکولی تعلیم کی تکمیل کے سلسلے میں عدم مساوات اب بھی ایک تشویش بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان میں ابتدائی تعلیم کے یہ خصوصیات ثانوی تعلیم میں داخل ہونے والے طلبا کے خاکے کا تعین کرتی ہیں۔

اس مضمون میں پیش کردہ نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ کل حاضری تناسب کے لحاظ سے اندازہ کردہ شرکت کے سلسلے میں عدم مساوات کافی زیادہ رہی ہے۔ لڑکیوں کا کل حاضر تناسب لڑکوں کے مقابلے میں کافی کم رہا ہے۔ سماج کے سماجی طور سے محروم طبقے کے حوالے سے یہ طریقہ کافی سخت ہے۔ ذات اور معاشی حیثیت کے درمیان تفاعل کے نتیجے میں عدم مساوات کا استقلال رہا ہے۔ شرکت کے سلسلے میں عدم مساوات کو نہ صرف مردوں اور عورتوں کی شرکت کے درمیان فرق کی نشاندہی کر کے بلکہ دیگر ذات کے گروپ کی لڑکیوں کی شرکت کے ساتھ سماجی طور سے محروم گروپ کی لڑکیوں کی شرکت کا موازنہ کر کے بھی دیکھے جانے کی ضرورت ہے۔

مزید برآں عدم مساوات کو جائے وقوع کے حوالے سے قائم رہنے کے لئے دیکھا جاتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ شہری علاقے کی لڑکیاں دیہی علاقے کے مقابلے میں قدرے خوش حال ہیں۔ مجموعی طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ بیشتر معاملات میں لڑکیاں لڑکوں کے مقابلے میں قدرے بدحال ہیں۔ اسکے علاوہ یہ بات ظاہر ہے کہ دیگر (زیادہ مراعات یافتہ) ذات کے زمرے سے تعلق رکھنے والی غریب ترین لڑکیوں کے مقابلے میں امیر ترین ایس سی لڑکیاں ایک 20 فی صد عدد کے زیادہ کل حاضری تناسب کی حامل ہیں۔

تعلیم کی مختلف سطحوں کی تکمیل کے سلسلے میں عدم مساوات میں بھی گزشتہ برسوں میں استقلال دیکھنے میں آیا ہے۔ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو عدم مساوات کا تجربہ ہونے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسکولی تعلیم کی تکمیل کے سلسلے میں بڑی تشویش دولت کے لحاظ سے عدم مساوات ہے۔ لڑکیوں کی محنت کے اخراجات اور جلد شادیاں سنگین چیلنج بنی ہوئی ہیں۔ اس میں حقیقت کی وجہ سے اور اضافہ ہو جاتا ہے کہ اسکولی شمولیت پر مبنی نہیں ہیں نیز لڑکیوں کے لئے محفوظ جگہیں نہیں ہیں۔ جب کہ کے جی بی وی اور این پی ای جی ای ایل جیسی اسکیمیں کامیاب رہی ہیں، ان کی رسائی تعداد میں محدود رہی ہے۔ داخلے کے بعد لڑکیوں کو تعلیمی نظام میں برقرار رکھنے کی غرض سے تعلیم کی فراہمی کے بڑے نظام کو ان رکاوٹوں کو زیادہ موثر طور سے دور کرنا چاہئے۔

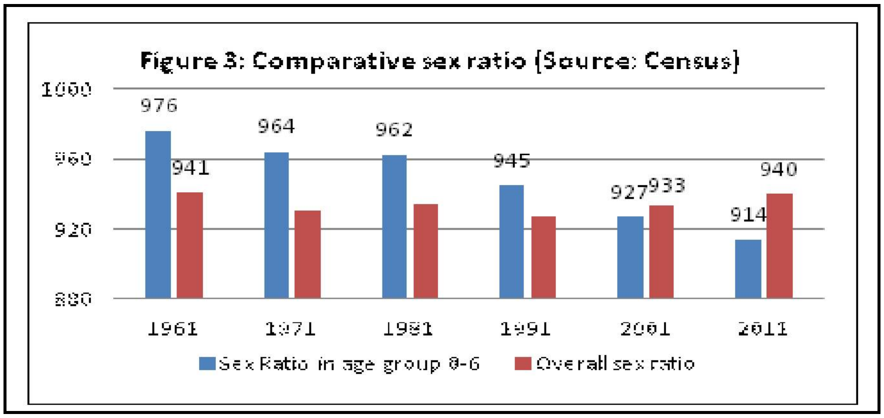

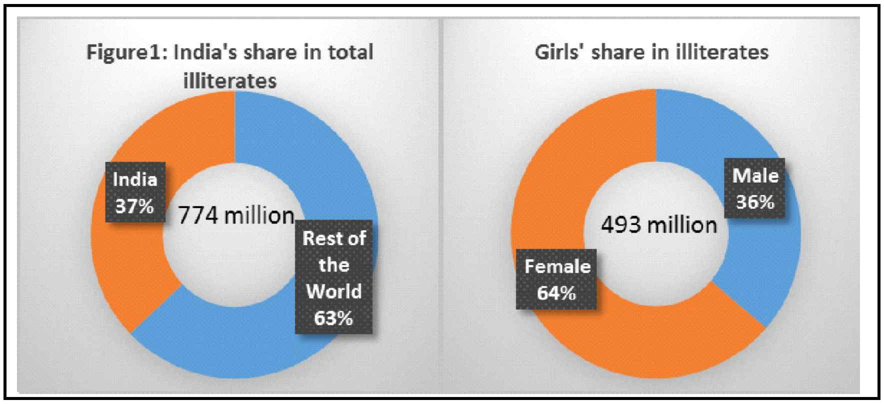

خواتین کو بااختیار بنائے جانے میں اضافہ کرنے کے سلسلے میں تعلیم کے کردار کو صرف مواقع کی وسعت پذیر مساوات کے سلسلے میں ٹھوس کوششوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سماج میں صنفی مساوات کو فروغ دینے نیز خواتین کی حیثیت میں اضافہ کرنے کی غرض سے قومی اور ریاستی حکومتوں نے لڑکیوں پر مرکوز پروگرام شروع کئے ہیں۔ ایک دلچسپ پروگرام اوڈیشہ لڑکیوں کا ترغیباتی پروگرام ہے۔ اس پروگرام پر عمل درآمد کے دو سال کے اندر ہی حاضری کی شرح ثانوی سطح پر 75 فی صد سے بہتر ہو کر 84 فی صد ہو گئی۔ اس پروگرام کا لازمی زور حاضری اور تعلیمی نتیجے کو بہتر بنانے پر ہے۔ مذکورہ بالا تجزیے سے یہ مرکزی پیغام ملتا ہے کہ امیر ترین طبقوں کو توسیع سے سب سے پہلے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا صنفی مساوات میں مزید کمی لانے کے لئے غریبوں پر مبنی مزید پالیسیاں تشکیل دیئے جانے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

گیتا لوتھرا

ستی سے لے کر میری کوم تک:

حق کے لئے لڑائی جاری ہے

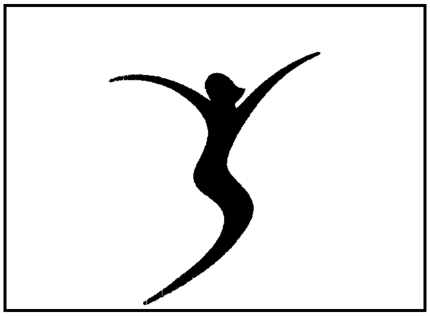

خواتین کو بااختیار بنانا ایک مستقل لڑائی ہے نیز یہ ایسی لڑائی نہیں ہے جو مجموعی طور سے سماج کے تعاون کے بغیر آگے بڑھ سکے۔ اس سلسلے میں صرف ذہنی سوچ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ خواتین دنیا کی آبادی کے نصف حصے کی نمائندگی کرتی ہیں نیز صنفی عدم مساوات ہر ایک ملک میں موجود ہے۔

مصنفہ سینئر وکیل ہیں۔
geetaluthra@gmail.com

ایک عورت آج یہ توقع کرتی ہے-اور بجا طور سے وہ ایسا کرتی ہے- کہ اس کے ساتھ ایک فرد ایک زندہ انسان کے طور پر سلوک کیا جائے جو اسی وقار اور حیثیت کی حق دار ہو، جو اس کے مرد ساتھیوں کو حاصل ہے۔ اگرچہ انسانی حقوق کے ہر ایک منشور میں یہ بات کہی گئی ہے کہ مرد اور خواتین برابر ہیں نیز یہی بات ہندوستان کے آئین کی دفعہ 14 اور 15 میں بھی کہی گئی ہے۔ لیکن یہ بات حقیقت سے کہیں دور ہے۔ یہ انتہائی مستحکم یقین کہ خواتین اپنے مرد ساتھیوں کے مقابلے میں کم تر سمجھے جانے کی سزاوار ہیں، خواتین کے ساتھ بہت زیادہ، مسلسل اور لاحاصل تشدد میں کافی اضافہ کرتا ہے جس کا سلسلہ تعلیم، صحت، روزگار، جائیداد اور اثر تک رسائی کے سلسلے میں ناانصافی یا کمی تک میں پایا جاتا ہے۔

انحصار سے مصالحت کو فروغ ملتا ہے نیز یہ تشدد، بے عزتی اور ظلم کے خلاف اپنی آواز اٹھانے کے سلسلے میں ایک متاثرہ کی مجبوری کی بڑی وجہ ہے۔

خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے سب سے بڑا ذریعہ اور قطعی بات شہروں اور گاؤوں دونوں میں، تمام خواتین کے لئے مالی آزادی کو یقینی بنانا ہے۔ مالی آزادی کا مزید انحصار زیادہ تر، اولاً لڑکیوں کی تعلیم اور دوئم، کام کرنے کی جگہ پر یکساں مواقع فراہم کرنے پر ہے۔ حکومت ترقی پسند قانون سازانہ پالیسیوں کے ذریعہ خواتین کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں اس لڑائی کے پہلے مرحلے کو عملی جامہ پہنانے کی ہوش مندانہ کوشش کرتی رہی ہے۔

قانون سازانہ کوششوں کے ساتھ ساتھ عدالتی مداخلت بھی کام کرنے کی جگہ پر یکساں اور جامع مواقع نیز ماحول فراہم کرنے کے سلسلے میں ایک ایسا کام ہے جس کی پیش رفت جاری ہے۔ یکساں معاوضے سے متعلق 1976، جہیز کی ممانعت سے متعلق قانون 1966، غیر اخلاقی کاروبار کی روک تھام کرنے سے متعلق قانون 1956، زچگی کے سلسلے میں فوائد سے متعلق قانون، حمل کے طبی استقاط سے متعلق قانون، 1971 ستی ہونے کی روک تھام کرنے سے متعلق قانون 2006، پیدائش سے قبل کی تشخیص تکنیکوں کی ضابطہ بندی اور ان کے غلط استعمال کی روک تھام کرنے سے متعلق قانون 1994 نیز کام کرنے کی جگہ پر خواتین کو جنسی طور سے ہراساں کئے جانے کی روک تھام کرنے، اس سے بچانے سے متعلق قانون 2013 خواتین کو بااختیار بنانے کے مقصد سے نافذ کئے گئے کچھ قوانین ہیں۔

ترقی پسند قانون سازانہ عمل کے سلسلے میں ان سرگرم اقدامات سے یہ بات یقینی ہوئی ہے کہ کم سے کم خواتین کو اس سماج کی کام کرنے والی آبادی کا ایک حصہ بننے کی کوشش کرنے کے لئے ایک منصفانہ موقع، خود مختار بننے کا ایک موقع ملا ہے۔ یہ لازمی طور سے اس سماج میں رائج مردوں کے غلبے کے اس بہت مستحکم رجحان سے مساوات حاصل کرنا نہیں ہے۔ لیکن کم سے کم اس نے انہیں اس تشدد سے اپنے آپ کو دور رکھنے کے ذرائع تو

فراہم ہوتے ہیں، جو عدم مساوات کے احساس سے جڑ پکڑتا ہے۔

مہاتما گاندھی نے کہا تھا ''جرم ایک بیمار ذہن کا نتیجہ ہے اور جیلوں میں سکول اور اصلاح کے لئے مہمان خانے کا ایک ماحول ہونا چاہئے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ تو پوری دنیا نابینا ہو جائے گی''۔

زنا بالجبر کا جرم خواتین کے وقار اور جسم کی ایک جنسی خلاف ورزی ہے۔ یہ جرم غلبے کی اپنی شناخت غلط استعمال کے سلسلے میں مردوں کی کوشش کا ہنوز ایک اور اظہار ہے۔ اسی سیاق وسباق میں پارلیمنٹ نے اس شعبے میں دور رس ترامیم وضع کی ہیں۔

ہندوستان میں خواتین کے خلاف جرم کو مدنظر رکھتے ہوئے فوج داری قانون (ترمیم) سے متعلق ایکٹ 2013 میں منظور کیا گیا تھا۔ یہ 19 مارچ 2013 کو لوک سبھا کے ذریعے اور 21 مارچ 2013 کو راجیہ سبھا کے ذریعہ منظور کردہ ایک ہندوستانی قانون ہے جس میں جنسی جرائم سے متعلق قوانین کے بارے میں دفعہ تعزیرات ہند، 1860 اور فوج داری طریقے کے ضابطے، 1973 میں ترمیم کا اہتمام کیا گیا تھا۔

1983 میں ایک ترمیم کی گئی تھی نیز دفعہ تعزیرات ہند میں ایس (2) 376 یعنی تحویلی زنا بالجبر، ایس (اے) 376 یعنی شوہری زنا بالجبر اور سی 376 (بی تا ڈی) یعنی جنسی مباشرت جو زنا بالجبر کے مساوی نہیں ہے، کا اضافہ کیا گیا تھا۔

عدالتی مداخلت کے ذریعہ سماج میں تبدیلیاں

ایک زمانہ تھا جب ہندوستانی عدلیہ زنا بالجبر کے ایک کھلے اور بند معاملے کے حقائق سے متفق نہیں ہوئی ہوئی تھی۔ محمد حبیب بمقابلہ مملکت 1989 فوج داری قانون جے 137 میں دہلی ہائی کورٹ نے ایک زانی کو محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا کہ اس کے عضو تناسل پر چوٹ کے کوئی نشان نہیں تھے جسے ہائی کورٹ نے کوئی مزاحمت نہیں کی، ایک علامت فرض کیا تھا۔ سب سے اہم حقائق مثلاً متاثرہ کی عمر (سات سال ہونے) نیز یہ کہ انہوں نے ایک پھاڑے گئے پردہ بکارت کی تکلیف جھیلی تھی اور اس کے جسم پر کاٹنے کے نشانات پر ہائی کورٹ نے غور نہیں کیا تھا۔ عینی شاہدین تک بھی جنہوں نے اس وحشت ناک فعل کو دیکھا تھا۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کو متاثر نہیں کر سکے تھے۔ ایک متاثرہ کو ایک ساتھی سمجھے جانے کی قانونی صورت حال کتنی زیادہ مستحکم تھی۔

خواتین کے ساتھ زنا بالجبر اور ان کے خلاف دیگر جرائم کے مقدمات کے سلسلے میں ایک اور برے لیکن کلاسیکی عدالتی فیصلے کا ذکر اکثر مایوسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس سے سماج کی متعصّبانہ سوچ منعکس ہوتی ہے۔ یہ مقدمہ ریاست راجستھان اور دیگر بمقابلہ شریمتی بھنوری دیوی تھا جس میں ایک جج نے کہا تھا کہ چوں کہ عورت ایک دلت ہے جب کہ ملزم ایک اعلیٰ ذات سے تعلق رکھتا ہے جو ایک دلت کے ساتھ جنسی تعلقات کے لئے اپنی شان اور مرتبے سے فروتر کام نہیں کرے گا، اس لئے متاثرہ کا زنا بالجبر نہیں کیا جاسکا ہے۔

بھنوری دیوی مقدمے جیسے تاریک زمانے سے زیادہ تر مغربی اثر اور ترقی کی وجہ سے بدلتے ہوئے زمانے اور ترقی کے ساتھ ہندوستانی عدلیہ فیصلوں کے ایک سلسلے میں زیادہ عملی دور کی جانب آہستہ آہستہ آگے بڑھی، جس میں بھاروادا بھوگن بھائی ہیر جی بھائی بمقابلہ ریاست گجرات اے آئی آر 1983 ایس سی 753 مقدمہ بھی شامل ہے جس میں خواتین کے خلاف جرائم کی زمرہ بندی اور توضیح کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

عدالتی سرگرمی کے ایک اور موثر عمل میں سپریم کورٹ نے وشاکا اور دیگر بمقابلہ ریاست راجستھان (جے ٹی 1977 (7) ایس سی 384) کے مقدمے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ ''وشاکا'' کے نام سے عدالت کے حکم کے لئے ایک درخواست میں سجاتا منوہر اور بی این کرپال کی جانب سے جے ایس ورما سی جے نے دیا تھا۔ یہ درخواست ہندوستان کے آئین کی دفعہ 21 کے تحت کام کرنے والی خواتین کے بنیادی حقوق کا نفاذ چاہنے والے مفاد عامہ کے مقدمے کے بطور صنفی مساوات کے لئے کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم نے دی تھی۔ 1997 (7) ایس سی 384) مقدمے میں پہلی بار جنسی ایذا دہی کی صریحاً قانونی طور سے توضیح درج ذیل انداز میں خواہ براہ راست طور سے یا غیر براہ راست طور سے ایک ناگوار جنسی اشارے یا رویے کے طور پر کی گئی تھی:

1۔ جنسی طور سے رنگ آمیز کلمات

2۔ جسمانی تعلق اور پیش قدمیاں

3۔ فحش نگاری دکھانا

4۔ جنسی عنایتوں کے لئے مانگ یا التماس

5۔ کوئی دیگر ناگوار جسمانی، زبانی/غیر زبانی طریقہ، جو نوعیت میں جنسی ہو

اس سنگ میل مقدمے میں جنسی ایذا دہی کی نشاندہی ایک علاحدہ غیر قانونی رویے کے طور پر کی گئی تھی۔ جنسی ایذا دہی کے سلسلے میں اہم عنصر رویے کی ناگواری ہے۔ اس کے ذریعے سے مرتکب کی نیت کی بجائے متاثرہ پر اس طرح کی حرکتوں کے اثر کو زیادہ متعلق بنانا جس پر غور کیا جانا ہے۔

لیکن خواتین کو ہنوز بااختیار نہیں بنایا گیا تھا۔

اس زمانے میں جہاں خواتین مردوں کی تسکین کے لئے موجود محض چیزیں نہیں تھیں، آگے بڑھنے والے ایک سماج ہونے کے ہمارے جھوٹے دعووں کی قلعی کھولنے کے لئے نربھئے جیسا واقعہ (مملکت بمقابلہ رام سنگھ اور دیگر 2013) ہوا۔ نربھئے واقعے نے وجود کے ہمارے احساس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ یہ ایک اتنا الم انگیز جرم تھا کہ ہر ایک اس شہری کے منہ پر ایک تھپڑ سے کم نہیں تھا جو اپنی ماؤوں، اپنی بیوی، اپنی بہنوں اور اپنی بیٹوں کے لئے مساوات میں یقین رکھتے ہیں۔ اس جرم کے مرتکبین اس بات میں یقین رکھتے تھے کہ اگر متاثرہ رات نو بجے اپنے گھر سے باہر ہے تو وہ زنا بالجبر کئے جانے کے لئے دعوت دے رہی ہے۔ نربھئے واقعہ محض جنسی شہوت کا ایک جرم نہیں تھا۔ یہ ان مردوں اور عورتوں دونوں کے

خلاف ایک جرم تھا جو تبدیلی میں یقین رکھتے تھے۔ یہ ایک لوہے کی چھڑ تھی جس نے حکومت پر وار کیا تھا کہ اپنی مشینری کو وہ خامیاں سمجھنے کے سلسلے میں مستعد کرے جو خواتین اوران کے حقوق کا تحفظ کرنے والے قوانین میں موجود ہیں۔

اس معاملے کے نتیجے میں اس طریقے اورانداز پر ایک نمایاں اثر پڑا تھا، جس میں پولیس کے ذریعے تفتیش کی گئی تھی۔ پولیس نے پہلی بار ڈی این اے کا نمونہ لینے، دندانیات کی جانچ، ہتھیلیوں کے نشانات جیسے تفتیش کے سائنسی ذرائع کا استعمال کیا تھا جس کے نتیجے میں ایک ایسی تفتیش سامنے آئی تھی جو زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع و جامع نیز اس کی وجہ سے زیادہ تصفیہ کن تھی۔

دفعہ 166 اے کا اضافہ کیا گیا تھا جس میں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا گیا تھا:

1) ڈی این اے ثبوت جنسی مجرمین کی شناخت کرنے اور جرم ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔

2) اس ثبوت کو مٹانے کے لئے جس سے ملزم پکڑے جاسکتے تھے، اس واقعہ کے بعد اس بس کو دھو دیا گیا تھا جس میں وہ جرم ہوا تھا۔ لیکن پولیس نے خون، نطفے، بالوں وغیرہ کے نمونے حاصل کرنے کے لئے اس بس کے فرش کو اکھاڑ دیا تھا، جن سے کھوج کے دوران بہت زیادہ مدد ملی تھی۔

ڈی این اے نمونوں کے علاوہ جو زنا بالجبر کے معاملات میں ثبوت کے طور پر عام طور سے استعمال کئے جاتے ہیں، پولیس نے ملزموں کی ''دندانیات جانچ'' بھی کرائی تھی۔ دندانیات کی جانچ دانتوں کی بناوٹ، ان کے بڑھنے اوران کے غیر معمولی پن کا ایک مطالعہ ہے۔ یہ جانچ متاثرہ کے چہرے پر کاٹنے کے نشانات کو ملزموں کے دانتوں کے نشانات سے ملانے کے لئے کی گئی تھی نیز مرتکبین کا پتہ لگانے کے لئے لمبائی، چوڑائی، موٹائی اور گہرائی کا موازنہ کیا گیا تھا۔

3) دیگر سائنسی ذرائع میں سے جن سے تفتیش کے سلسلے میں کام لیا گیا تھا، ملزمین کے ہتھیلیوں کے نشانات بھی لئے گئے تھے۔ خوش قسمتی سے ہوٹلوں کے سی سی ٹی وی کیمروں نے بھی جو سڑک کے بالمقابل لگے ہوئے تھے، اس بس کی تصویر اس وقت کی تصویریں لی تھیں، جب وہ اس سڑک کے اس حصے سے گزر رہی تھی، جہاں اس رات کے اس وقت مشکل سے ہی کوئی آمد ورفت تھی۔

صنف کے انتخاب کے طریقے کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے حکومت نے 1994 میں پیدائش سے قبل تشخیص کی تکنیکوں کی ضابطہ بندی اوران کے غلط استعمال کی روک تھام کرنے سے متعلق قانون وضع کیا تھا جس میں بعد میں ترمیم کرکے اسے حمل سے قبل پیدائش سے قبل تشخیص کی تکنیکوں (صنف کے انتخاب کی ممانعت) میں ترمیم سے متعلق قانون 2003 کردیا گیا تھا جو جنین کے صنفی تعین اور تشخیص کے لئے ان تکنیکوں کا استعمال کرنے کی ممانعت کرتا ہے نیز منتخبہ پیدائشی حالات کی ایک فہرست کے لئے پیدائش سے قبل کی تشخیصوں کے استعمال کو محدود کرتا ہے۔ لیکن ان ضابطوں کو سختی سے نافذ نہیں کیا گیا ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد صنفی تناسب میں مزید کمی کو روکنے پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ تھا ہے:

☆ جیسا کہ اس قانون کے تحت حتماً تجویز کئے گئے ہیں، صرف صحیح استعمالات کے لئے ہی پیدائش سے قبل تشخیص کی تکنیکوں کی ضابطہ بندی۔

☆ صنف کے انتخاب اور تعین کے لئے حمل سے قبل تشخیص کی تکنیکوں (پی سی ڈی ٹی) اور پیدائش سے قبل تشخیص کی تکنیکوں (پی این ڈی ٹی) کے غلط استعمال پر مکمل پابندی۔

☆ صنف سے وابستہ بیماریوں کا پتہ لگانے کو چھوڑ کر حمل سے پہلے اور حمل کے بعد جنین کی صنف کے انتخاب کی قطعی ممانعت۔

پیدائش سے قبل صنف کے تعین کے سلسلے میں جانچ اور بچوں میں کم ہوتے ہوئے صنفی تناسب کے درمیان تعلق پر توجہ دیتے ہوئے 2002 میں سپریم کورٹ نے پیدائش سے قبل تشخیص کی تکنیکوں کی ضابطہ بندی اوران کے غلط استعمال کی ممانعت سے متعلق قانون 1994 پر عمل درآمد کرنے میں ناکام رہنے پر مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو بھدے پن سے جھاڑا تھا۔

جسٹس ورما کمیٹی کی رپورٹ اوراس کا اثر

ذیل میں ان دس کلیدی سفارشات کی ایک فہرست دی جارہی ہے جو جسٹس ورما کمیٹی نے 630 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ میں پیش کی تھی۔

1۔ چپکے چپکے پیچھا کرنے، دانستاً اور قصداً چھونے اور مباشرت کرنے والے لوگوں کو خفیہ طور سے دیکھ کر لطف اندوز ہونے کو ایک جرم قرار دیا جائے۔

2۔ زنا بالجبر سے متعلق قوانین میں ترمیم کی جائے۔

ایک نابالغ کے ساتھ زنا بالجبر کرنے پر زیادہ سے زیادہ دس سال کی جیل کی سزا دی جانی چاہئے۔ اجتماعی زنا بالجبر کی توضیح دفعہ تعزیرات ہند میں کی جانی چاہئے نیز اس کے لئے کم سے کم 20 سال کی قید کی سزا دی جانی چاہئے۔ زنا بالجبر کی وجہ سے ہونے والی موت کے سلسلے میں کم سے کم 20 سال کی جیل کی سزا دی جانی چاہئے۔

شوہری زنا بالجبر کو ایک جرم بنایا جائے۔

3۔ لڑائی جھگڑوں والے علاقوں میں سیکورٹی قوانین پر نظر ثانی کی جائے۔

کشمیر اور شمال مشرق جیسے ہندوستان کے لڑائی جھگڑوں والے علاقوں میں مسلح دستوں کے ذریعہ جنسی جرائم کی متعدد رپورٹوں کی وجہ سے مسلح دستوں کے خصوصی اختیارات سے متعلق قانون (اے ایف ایس پی اے) پر نظر ثانی کی جانی چاہئے۔ یہ ایک ایسا متنازع قانون ہے جو سیکورٹی دستوں کو وسیع اور کامل اختیارات دیتا ہے نیز اکثر ان کو مکمل آزادی اور بے خوفی بھی مرحمت کرتا ہے۔ سیکورٹی دستوں کو فوج کے قانون کے بجائے عام فوجداری قانون کے دائرے میں لایا جانا چاہئے۔ خصوصی کمشنروں کو عملے کے مسلح افراد کے ذریعے خواتین کے ساتھ جنسی تشدد کے تمام معاملات کی نگرانی کرنے اور کارروائی کرنے کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ ''کمان کی ذمہ داری کی خلاف ورزی'' شروع کی جائے، جس کے سلسلے

میں سیکورٹی دستوں یا پولیس کے ایک سینئر افسر کو اس صورت میں کم سے کم سات سال کی جیل کی سزا کے لئے قانوناً ذمہ دار بنایا جائے اگر اس کا ماتحت زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے۔

4۔غیر قانونی، سردار خاندان والی دیہی کونسلوں کی نگرانی کی جائے ''کھاپ پنچایتوں'' کے نام سے مشہور غیر قانونی کونسلوں کی نگرانی کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ یہ پنچایتیں مفروضہ ''نام و ناموس نیز وقار اورعزت کے لئے قتل کرنے'' کی منظوری دیتی ہیں نیز جابرانہ اورسخت احکامات اورفرمان عائد کرتی ہیں۔مثلاً موبائل فونوں کا استعمال کرنے، مغربی کپڑے پہننے یا اکیلے باہر جانے کے سلسلے میں لڑکیوں اورعورتوں پر پابندی عائد کرنا۔

5۔زنا بالجبر کی متاثرین کی طبی غائر معائنے اور جانچ پرنظر ثانی۔

اس سلسلے میں طبی و قانونی رہنما خطوط جاری کئے جائیں کہ جنسی حملے کی ایک متاثرہ کا غائرطبی معائنہ اور جانچ کیسے کرنی ہے۔نام نہاد، انگلیوں' جانچ کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ یہ ایک فرسودطریقہ ہے جس میں اس بات کا تعین کرنے کے لئے آیا متاثرہ ''جنسی فعل کی عادی'' ہے۔فرج ڈھیلے پن اورنرمی کی جانچ کی جاتی ہے۔

6۔پولیس اصلاحات:ضلع سطح پرپولیس کے بارے میں متعلق ایک اتھارٹی قائم کی جائے تاکہ وہ ان پولیس افسران کے خلاف شکایات کے بارے میں تحقیقات کرنے، جوصنفی جرائم کی شکایات درج نہیں کرتے ہیں۔ پولیس کے ان افسران کو سزا دی جانی چاہئے جوشکایات درج کرنا بھول جاتے ہیں یا ناقص اور ادھوری تفتیش کرتے ہیں۔کمیشن کا کہنا ہے کہ اس سے پولیس میں زیادہ جواب دہی اور ذمہ داری آئے گی۔اس بات کویقینی بنانے کے لئے تمام پولیس اسٹیشنوں میں سی سی ٹی وی ہونے چاہئے کہ شکایات سے نمٹنے انہیں ریکارڈ کرنے اوردرج کرنے کے سلسلے میں صحیح طریقوں پرعمل درآمد کیا جارہا ہے۔ پولیس کو مناسب تکنیکی آلات اورتربیت فراہم کی جائے تاکہ جنسی حملے کے جرائم کے عدالت میں استعمال کئے جانے والے ثبوت کی تفتیش کے اعلی ترین معیارات کویقینی بنایا جائے۔صنفی جرائم کی تفتیش کرنے والی پولیس کوقانون اورامن رکھنے والی پولیس سے علاحدہ کیا جائے تاکہ تیز تر تفتیش، بہتر مہارت اورعوام کے ساتھ بہتر تعلقات کویقینی بنایا جائے۔گشت پر اور پولیس اسٹیشنوں میں فرض منصفی پر خاتون پولیس کی تعداد میں اضافہ کیا جائے تاکہ جنسی حملے کی شکایات درج کرانے والی خواتین اطمینان محسوس کریں۔

7۔ان قانون سازوں کوانتخابات میں حصہ لینے کے لئے ناموزوں قرار دیا جانا چاہئے جن پر سنگین جرائم مثلاً جنسی جرائم یا جہیز ہی جرائم کے لئے عدالت میں الزام عائد کیا گیا ہے۔جن میں موجودہ اراکین پارلیمنٹ کے خلاف فوج داری مقدمے چل رہے ہیں جن میں زنا بالجبر اور دیگر اقسام کے جنسی حملے کے مقدمے بھی شامل ہیں، انہیں رضا کارانہ طور سے اپنی نشستیں چھوڑ دینی چاہئیں۔ چندے وصول کرنے کے سلسلے میں شفافیت قائم کرنے نیز یہ انکشاف آیا جماعتوں کے پاس انتخابات میں حصہ لینے کے لئے مجرمانہ ریکارڈ کے حامل منظورشدہ لوگ تھے یا نہیں سیاسی جماعتوں کے لئے ایک ضابطہ اخلاق ہونا چاہئے۔

8۔تعلیم کے ذریعے صنفی تیز حس سازی: ہندوستانی اسکولوں کے رسمی نصاب تعلیم پر شدت سے نظرثانی کی جانی چاہئے نیز جنسی تعلیم کو نصاب تعلیم کا ایک لازمی جزو بنایا جانا چاہئے۔

9۔حقوق کا بل: ہندوستان کو جنوبی افریقہ اور نیوزی لینڈ کے مشابہ بلوں کے خطوط پر خواتین کے لئے ''حقوق کا بل'' قائم کرنا چاہئے۔اس بل سے خواتین کے لئے ضمانت شدہ حقوق مقرر ہوں گے جن میں زندگی، سیکورٹی، جسمانی طور سے درست حالت کا حق، جمہوری اورسول حقوق نیز مساوات کا حق شامل ہوگا۔

انسانی خرید وفروخت

10۔دفعہ تعزیرات ہند میں خرید وفروخت کرنے کے جرم کی توضیح کی جائے۔خرید وفروخت کا معاملہ کم سے کم سات سال کی جیل کی سزا کے ساتھ قابل سزا ہونا چاہئے نیز اسے عمر قید تک توسیع دی جاسکتی ہے۔خرید و فروخت کردہ ایک شخص کو مثلاً ایک گھریلو نوکر، اپنی خدمت میں رکھے جانے پر کم سے کم تین سال کی جیل کی سزا دی جانی چاہئے۔

شوہری زنا بالجبر

زنا بالجبر سماج کے خلاف ایک جرم ہے نیز اس تعلق سے علاحدہ سے ہے جو جرم اور مجرم اور متاثرہ کے درمیان ہوتا ہے۔سماج اس صورت میں ایک جرم کو حق بجانب ثابت نہیں کرسکتا ہے، اگر وہ بیوی اور شوہر کے درمیان بند دروازوں کے پیچھے کیا جاتا ہے۔ایک جرم بہرصورت جرم ہے اور اگر بیوی اپنے کنبے کے جبر اور دباؤ میں شرم اورتکلیف برداشت کرنے کا انتخاب کرتی ہے تو اس سے اس فعل کی مجرمیت ختم نہیں ہوتی ہے۔

خواتین کو بااختیار بنانے کا معاملہ کئے جانے کے مقابلے میں کہنے کے لحاظ سے آسان ہے۔دیگر زور پر جسمانی تسکین کے لئے کسی کو مجبور کرنے کا محض حصول یا اس کی محض رضامندی ہندوستان میں ایک جرم نہیں ہے، حالاں کہ اس معاملے پر کافی بحث مباحثہ کیا جاچکا ہے۔ تاہم یہ معاملہ گھریلو تشدد سے خواتین کے تحفظ سے متعلق قانون کے تحت قابل مواخذہ سول جرم ہے تاکہ خواتین کو درپیش وحشیانہ مظالم کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ گھریلو تشدد سے خواتین کے تحفظ سے متعلق قانون کے تحت اس ترقی پسند اور اصلاحی اقدام سے آپ کو بیداری کرنے میں مدد ملتی ہے۔اس اقدام اس ناجائز فعل کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے نیز خواتین کو اطمینان اور اعتماد کا ایک جسمانی احساس فراہم ہوسکتا ہے کہ بیوی جبر اور دھمکی کے ذریعے شادی شدہ زندگی کی جسمانی ضروریات/جسمانی پہلوؤں کی تسکین کرنے کا محض ایک ذریعہ نہیں ہے۔ یہاں اور بیوی دونوں سے تکمیل کرانے کے لئے ہمیشہ ایک اجازت، رضامندی کی ضرورت ہوگی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی بھی انتخاب کا حق رکھتی ہے۔شوہری زنا بالجبر کا تعلق جبر، جبر کی دھمکی یا جسمانی تشدد کے ذریعے یا جب وہ اجازت دینے سے قاصر ہے، اپنی بیوی کے ساتھ ایک

مرد کے ذریعے غیر مطلوب مباشرت کرنے سے ہے۔طاقت کے استعمال کے ذریعہ شوہری زنا بالجبر صرف مار پیٹ کر کیا جانے والا زنا بالجبر یا تکلیف جنسی مزہ اٹھانے کے لئے کیا جانے والا زنا بالجبر مسلط ہو کر کیا جانے والا زنا بالجبر ہوسکتا ہے۔ یہ بیوی کے ساتھ ایک شوہر کے ذریعے پر تشدد ضلالت کا ایک غیر رضا مندانہ فعل ہے جس میں اس کا جسمانی یا جنسی طور سے پر تشدد استعمال کیا جاتا ہے۔موجودہ زمانے میں، مطالعات سے پتہ چلا ہے کہ 10 فی صد تا 14 فی صد کے درمیان شادی شدہ عورتوں کا زنا بالجبر ان کے شوہروں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔شوہری زنا بالجبر کے واقعات ماری پیٹی گئی عورتوں کے کلینکی نمونوں میں ایک تہائی سے لے کر نصف تک ہیں، شوہر کے ذریعے جنسی حملے کئے گئے زنا بالجبروں کا تقریباً 25 فی صد ہیں۔خواتین جو شوہری زنا بالجبر کے لئے خاص نشانے بنی ہیں، وہ ہیں جو بھاگ جانے اور بچنے کی کوشش کرتی ہیں۔

گھریلو تشدد سے خواتین کے تحفظ سے متعلق قانون

’’کنٹرول کرنے والے لوگ، غلط استعمال کرنے والے لوگ اور جوڑ توڑ یا ساز باز کرنے والے لوگ اپنے آپ سے سوال نہیں کرتے ہیں۔وہ اپنے آپ سے یہ نہیں پوچھتے ہیں کہ کیا مسئلہ وہ ہیں۔وہ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ مسئلہ کوئی اور ہے‘‘۔

ایک واقف دوست سے لڑنے کے مقابلے میں ایک اجنبی دشمن سے لڑنا آسان ہے۔ اپنی سسرال میں ایک عورت جس کشمکش اور جدوجہد کا سامنا کرتی ہے، اس سے سبھی واقف ہیں۔یہ محض ذہنی تکلیف نہیں ہے جس سے ایک عورت گزرتی ہے بلکہ جسمانی اور جذباتی تکلیف بھی ہے۔ ریگینا بمقابلہ کرن جیت اہلووالیہ (1993) 96 فوجداری اپیل آر 133 کے مقدمے میں کرن جیت اہلووالیہ کی جدوجہد اور لڑائی نے گھریلو تشدد کے بارے میں بیداری میں اضافہ کیا ہے نیز ماری پیٹی گئیں عورتوں کے مقدمات میں لفظ اشتعال کی توضیح بدل دی ہے۔ انہوں نے دس سال تک جسمانی، نفسیاتی اور جنسی غلط استعمال کئے جانے کے ردعمل میں اپنے شوہر کو جلا دیا تھا۔ اس واقعہ کو کہانی کا رنگ دے کر اس پر فلم ’’پرووکڈ‘‘ (اشتعال دلایا گیا) بھی بنائی گئی تھی۔ گھریلو تشدد سے خواتین کے تحفظ سے متعلق قانون کے ذریعے جو سب سے زیادہ بامعنی تبدیلی لائی گئی ہے، وہ یہ تھی کہ اس نے ان عورتوں تک کو بھی جو ایک نام نہاد ’ساتھ رہنے والے تعلق‘ میں تھیں، شادی شدہ عورتوں کے مماثل نان نفقے، معاوضے، تحفظ، رہائش کے حق اور دیگر حقوق کے لئے استحقاق فراہم کیا ہے۔

یہ قانون اکتوبر 2006 میں نافذ ہوا تھا۔ اسے قانون کے عام اصولوں سے تشکیل دیا جا رہا تھا نیز ذہن میں ہندوستان کی اخلاقیات کو برقرار رکھنے کے لئے کوئی قانونی تحفظ نہیں تھا۔ یہ قانون قانون کے عام اصولوں میں سے تشکیل دیا گیا تھا۔ اس کے وضع کئے جانے سے قبل سسرال میں خواتین کو تحفظ کرنے کے سلسلے میں کوئی قانونی تحفظ نہیں تھا۔ یہ قانون خواتین کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں واحد قانون ہے جو جسمانی، زبانی، جنسی یا معاشی غلط استعمال کے لحاظ سے ہوسکتا ہے۔ یہ قانون ساتھ رہنے والے ان کے ساجھے دار سے ان خواتین کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے جو ان کے ساتھ ایک تعلق میں رہ رہی ہیں، حالاں کہ وہ شادی شدہ نہیں ہیں۔ دو فیصلوں میں یعنی 26 نومبر 2013 کو اندرا سرما بمقابلہ وی کے وی سرما، 2013 ایس ٹی پی ایل (ویب) 944 ایس سی اور ڈی ویلو سامی بمقابلہ ڈی پچائیمل (2010) 10 ایس سی سی 469 مقدموں کے فیصلوں میں اس نظریے کی وضاحت کی جا چکی ہے نیز ان خواتین کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے جو ایک داشتہ سے مختلف طور پر شادی سے ملتے جلتے ایک تعلق میں رہ رہی ہیں۔

سسرال کی توضیح گھریلو تشدد سے متعلق کوئی قانون کی دفعہ 17 میں گھریلو تشدد سے خواتین کے تحفظ سے متعلق قانون میں کافی بے پروائی سے کی گئی تھی جس میں سسرال کو شامل کرنے کے لئے ایک عارضی رہائش/آمد کی تشریح کی جا سکتی ہے۔ دہلی ہائی کورٹ نے ان تین سنگ میل فیصلوں میں اس نظریے کو محدود کر دیا ہے جن کی میں پیرو کار تھی یعنی شمیتا دیدی سندھو (2007) 96 ڈی آر جے 697، ایونیت بمقابلہ کونیا چودھری (2012) 130 ڈی آر جے 83 (دہلی) اور برون ناہر بمقابلہ پارول ناہر 2013 (2) اے ڈی (دہلی) 517۔

’’لوگ محبت کئے جانے کے لئے تخلیق کئے گئے تھے۔ چیزیں استعمال کئے جانے کے لئے بنائی گئی تھیں۔ یہ دنیا افراتفری کی حالت میں کیوں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ چیزوں سے محبت کی جا رہی ہے اور لوگوں کو استعمال کیا جا رہا ہے‘‘۔

خواتین اور لڑکیوں کی تجارت

آجکل خواتین کو گھریلو اشیاء کی مانند خریدا اور بیچا جا رہا ہے۔ایک آدمی کی جسمانی ضرورت پوری کرنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہندوستان بھی تجارتی جنسی استحصال کے مقصد سے خرید وفروخت کردہ نیپال اور بنگلہ دیش کی عورتوں اور لڑکیوں کے لئے ایک منزل مقصود ہے۔ سرکس کے شوز میں زبردستی اور جبراً محنت مشقت کرانے کی غرض سے ہندوستان کے لئے نیپالی بچوں کو بھی فروخت کیا جاتا ہے۔ تجارتی جنسی استحصال کرنے کی غرض سے مشرق وسطی کے لئے ہندوستانی عورتوں کو فروخت کیا جاتا ہے۔ نقل وطن کرنے والے وہ ہندوستانی لوگ بھی انسانوں کی تجارت کرنے والی صنعت کا اختتامی جزو ہوسکتے ہیں جو گھریلو نوکروں اور کم ہنرمند مزدوروں کے طور پر کام کرنے کے لئے مشرق وسطی اور یوروپ کے لئے ہر سال رضامندانہ طور سے نقل وطن کرتے ہیں۔

دفعہ 23 انسانوں کی خرید وفروخت کرنے نیز زبردستی اور جبراً مزدوری کرانے کی مخالفت کرتی ہے۔ ہندوستان میں انسانوں کی خرید وفروخت کا سلسلہ انسانوں کی عصمت فروشی نیز خرید وفروخت کی شکل میں ایک لمبے عرصے سے رائج رہا ہے۔

دنیا بھر میں انسانوں کی تقریباً 80 فی صد خرید و فروخت جنسی استحصال کے لئے کی جاتی ہے۔ تقریباً 1.2 ملین بچے ہر سال جنسی غلامی کے سلسلے میں بیچے اور خریدے جا رہے ہیں۔ ہندوستان ایشیا کے لئے اور کچھ کہتے ہیں، دنیا کے لئے زہریلا مرکز ہے۔

اس قانون میں ''عصمت فروش'' کے طور پر خود اپنی جنسی خدمت فروخت کرنے کے رواج کا ذکر نہیں کیا گیا گیا۔ چناں چہ یہ قانون اس وقت فی نفسہ عصمت فروشی کو جرم قرار نہیں دیتا ہے۔ لیکن یہ چکلے چلانے، ان سے ہونے والی آمدنی پر گزر بسر کرنے اور دلالی کرنے جیسے عصمت فروشی کے سلسلے میں سہولت مہیا کرنے والے تیسرے فریقوں کے ذریعہ کئے گئے کاموں کے لئے سزا دینا چاہتا ہے۔

حکومت نے اس لعنت کو ختم کرنے کی غرض سے قوانین میں ترمیم کرنے کے لئے سرگرم اقدامات کئے ہیں۔ 2013 میں فوج داری قانون میں حالیہ ترمیم کے بعد تعزیرات ہند (آئی پی سی) کی دفعہ 370 کی جگہ اور 370اے کی شکل میں نیا زیادہ سخت اہتمام کیا گیا ہے جس کا تعلق استحصال کے لئے فرد کی خرید وفروخت سے ہے۔ اگر کوئی شخص عصمت فروشی، غلامی، زبردستی عضو نکالنے وغیرہ سمیت استحصال کرنے کی غرض سے زبردستی، جبراً، اغوا کرکے، دھوکہ دے کر، چال بازی سے یا اختیار کا غلط استعمال کرکے یا آمادہ کرکے یا ترغیب دے کر کسی شخص کو (i) بھرتی کرتا ہے (ii) اس کی نقل وحمل کرتا ہے (iii) چھپاتا ہے یا (iv) اسے موصول کرتا ہے تو اسے کم سے کم سات سال کی قید سے لے کر اس شخص کی بقیہ قدرتی زندگی کے لئے قید کی سزا دی جائے گی، جس کا انحصار خرید وفروخت کردہ افراد کی تعداد یا زمرے پر ہوگا۔ خرید وفروخت کردہ ایک شخص کو دھندے میں لگانے پر بھی سزا دی جائے گی۔

حق وراثت سے متعلق قوانین میں ترمیم

ہندو حق، وراثت میں ترمیم سے متعلق قانون 2005 سے پہلے ہندو حق وراثت سے متعلق قانون کی دفعہ 6 کے مطابق ایک ہندو غیر منقسم خاندان میں، بے وصیت مرنے والے ایک ہندو مرد کی مشترکہ وراثتی جائیداد کا حصہ صرف اس کے بیٹوں (جنہیں مشترکہ شرکاء وراثت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) کو تفویض کیا جاتا تھا۔ 9 ستمبر 2005 کو ہندو حق وراثت میں ترمیم سے متعلق قانون 2005 کے ذریعہ ہندو حق وراثت سے متعلق قانون کی دفعہ 6 میں ترمیم کی گئی تھی جس میں ایک بیٹے کو ملنے والے حقوق کے مساوی، ہندو مٹاک شارا مشترکہ وراثتی جائیداد میں بیٹیوں کو یکساں حقوق دے کر اس امتیاز کو ختم کر دیا تھا۔

مذکورہ ترمیم کے مطابق ایک مشترکہ شریک وراثت (یعنی اس کا باپ) کی بیٹی بر بنائے پیدائش (i) اسی طرح سے جس طرح سے کہ ایک بیٹا، ایک مشترکہ شریک وراثت بن جائے گی (ii) اسی طرح سے جس طرح سے کہ ایک بیٹا، مشترکہ وراثتی جائیداد کی حق دار ہوگی (iii) اس مشترکہ وراثتی جائیداد کے سلسلے میں ایک سی ذمہ داریوں کے لئے مشروط ہوگی جیسا کہ ایک بیٹے کے لئے ہوگی۔ نیز اسی طرح سے جس طرح سے کہ ایک بیٹا اپنے والد داد، پڑدادا کے ان قرضوں کی ادائیگی کے لئے ذمہ دار ہوگی جن کے سلسلے میں انہوں نے ہندو حق وراثت میں ترمیم سے متعلق قانون 2005 کی شروعات کے بعد معاہدہ کیا تھا۔

خواتین کی حیثیت میں ہندحق وراثت میں ترمیم سے متعلق قانون 2005 کے ذریعے بنیادی طور سے تبدیلی آئی ہے جس کے ذریعے بیٹیاں خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، مشترکہ شرکائے وراثت ہیں نیز مشترکہ خاندانی جائیدادوں میں ایک حصے کی حق دار ہیں۔

بیوی اور بیٹی اپنے حصے کی تقسیم کے لئے بھی کہہ سکتی ہیں۔ اس ترمیم کا اطلاق زرعی املاک کے لئے بھی ہوتا ہے۔ ترمیمی قانون کا اطلاق 9 ستمبر 2005 سے ہوا ہے۔ لیکن وہ لین دین مثلاً تقسیم جو 20 دسمبر 2004 سے قبل واجبی طور سے اندراج شدہ یا عدالت کے حکم کے تحت تقسیم کی ایک دستاویز کے ذریعے ہے، اس ترمیم سے متاثر نہیں ہوں گے۔

مسلم خواتین سے متعلق قوانین

محمد احمد خاں بمقابلہ شاہ بانو بیگم اور دیگر 1985 ایس سی آر (3) (844) 1985 اے آئی آر 945 کا مقدمہ انصاف کے لئے مسلم خواتین کی تلاش میں ایک سنگ میل بنا نیز اس کے نتیجے میں نجی قانون کے سلسلے میں سیاسی لڑائی کی شروعات ہوئی۔ ایک 60 سالہ خاتون نے اپنے اس شوہر سے نان ونفقے کا مطالبہ کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا جس نے اسے طلاق دے دی تھی عدالت نے اس عورت کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ شاہ بانو کو کسی بھی دیگر ہندوستانی عورت کی مانند فوج داری کی دفعہ 125 کے تحت اپنے سابق شوہر سے نان ونفقہ پانے کی حقدار قرار دیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ دفعہ 125 کے تحت ایک مطلقہ مسلم عورت کو نان ونفقہ دلانے والا پہلا فیصلہ نہیں تھا۔ لیکن ایک طرار تقلید پسندی نے اس فیصلے کو اسلام پر

ایک حملہ تصور کیا تھا۔

کیرالہ، مہاراشٹر، گجرات اور آندھرا پردیش جیسی ریاستوں میں فیصلوں کو موڑنے کا حوالہ دیتے ہوئے جن میں عدالتوں نے نان ونفقہ کے طور پر رقمیں دینے کا حکم دیا ہے نیز ایک یک وقتی یک مثبت رقم کی ادائیگی کی شکل میں معقول اور مناسب اہتمام کئے ہیں جو مسلم خواتین کو پہلے کبھی نہیں ملی ہیں، دانیال لطیفی مقدمے میں سپریم کورٹ کی مکمل آئینی بنچ کے 2001 کے حکم نے عملاً ایک باز گرد ترمیم کو محدود کر کے نیز اس کی تشریح کر کے فوج داری قانون کی دفعہ 125 کے تحت طلاق کے بعد بھی مسلم خواتین کو نان ونفقے کا حق دیا تھا جس کا مقصد طلاق سے متعلق قانون میں نان ونفقے کے لئے مسلم خواتین کے حق کے سلسلے میں وضع قانون کے ذریعے نان ونفقہ کے لئے مسلم خواتین کے حق کو محدود کرنا تھا۔ اگرچہ خواتین کو نان ونفقہ دینے والے کچھ اہتمام مثلاً ہندو گود لینے اور نان ونفقہ سے متعلق قانون (1956 اور فوج داری قانون کی دفعہ 125 میں عبوری نان ونفقے کے سلسلے میں کوئی اہتمام نہیں تھا، یہی بات مقدمات کے قطعی فیصلوں کے التوا میں ہونے کی وجہ سے عبوری نان ونفقہ دینے کے لئے خواتین کو مدد دینے کی غرض سے وضع قوانین میں شامل کی گئی ہے۔

ایک ایسے ملک میں جہاں نان نفقے، جائیداد کے حقوق، طلاق کے حقوق، بچوں کی شادی اور تحویل کے سلسلے میں مختلف مذاہب کے مختلف نجی قوانین ہیں، متعدد وضع قوانین کی وجہ سے ایک یکساں سول کوڈ کے لئے مانگ میں اضافہ ہوا ہے۔ 10 مئی 1995 کو شریمتی سرلا مدگل، ہدر، بمقابلہ ہندوستان کی یونین اور دیگر 1995 اے آئی آر 1531، 1995 ایس سی سی (3) 635 مقدمے میں سپریم کورٹ نے بھی اس تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اس کی مذہبی پہچان کے لحاظ بغیر ہر ایک ہندوستانی کے لئے ایک یکساں یا مشترک سول کوڈ کی پسندیدگی کے لئے قانونی اہلیتیں مسلمہ ہیں۔

درحقیقت یہ حکومت کے لئے ان ہدایات میں سے ایک ہدایت ہے جو ہندوستان کے آئین (دفعہ 44) میں شامل ہیں۔ یہ ہدایت ہندوستان کے آئین کی دفعہ 25 کے ساتھ مقابلے میں نہیں آتی ہے جو کہ مذہب کی آزادی کی ضمانت دیتی ہے کیوں کہ اس دفعہ کی شق 2 سیکولر قوانین سے مذہب کو علاحدہ کرتی ہے، جو کچھ رجعت پسندانہ مذہبی طریقوں کو ختم کرتی ہیں۔ اس میں صاف طور سے کہا گیا ہے کہ مذہب کی آزادی مملکت کو سماجی بہبود اور اصلاح فراہم کرنے والا کوئی بھی قانون بنانے سے محدود نہیں کرے گی۔ اور پھر ہمارے پاس آئین کی دفعہ 14 ہے جس کے تحت ہر ایک ہندوستانی کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ مساوات کے اس اصول کے تحت کسی کے ساتھ بھی پس منظر، ذات اور مذہب کے نام پر امتیاز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تاہم جہاں تک مسلم خواتین کو بااختیار بنانے کا تعلق ہے، ہندوستان میں قوانین کی پیش رفت اس لحاظ سے تقریباً ساکن ہے جب ہم موجودہ عالمی شرح سے اس کا موازنہ کرتے ہیں۔ یہ بات ضروری اور معقول ہے کہ جب قوانین کے وضع کرنے کی بات آتی ہے تو ہم خواتین کے حقوق سے مذہب کے ٹیگ کو دور رکھیں۔ ایک زیادہ ترقی یافتہ اور ترقی پسند سماج کے طور پر یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مظلوموں کے کاز کو اٹھائیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ مذہبی طریقوں اور رواجوں پر سوال کرنے کی ہماری نااہلیت کی وجہ سے مسلم خواتین کو تعصب کے خلاف اس لڑائی میں پیچھے نہ چھوڑ دیا جائے۔

یکساں سول کوڈ ہندوستان میں ہر ایک بڑے مذہبی فرقے کی مذہبی کتابوں اور رسم ورواج پر مبنی نجی قوانین کی جگہ ہر ایک شہری کو قابو میں رکھنے والے ایک مشترک سیٹ لانے کی ایک تجویز ہے۔ ان قوانین کو پبلک قانون سے الگ بتایا جاتا ہے نیز یہ قوانین شادی، طلاق، میراث، گود لئے جانے اور نان ونفقے کا احاطہ کرتے ہیں۔

شادی سے متعلق قانون میں ترمیم کا بل 2010

''بیٹی بیٹی ہوتی ہے، بہو کبھی بھی بیٹی نہیں بن سکتی ہے''۔ شادی شوہر اور بیوی کے درمیان ایک مقدس رشتہ ہے نیز دونوں ہی اس سے حاصل ہونے والے فوائد کے مساوی طور سے حق دار ہیں۔ شوہر اور بیوی کی علاحدگی کی وجہ سے جائیداد کے تمام فوائد شوہر کے لئے نہیں رہ جاتے ہیں۔ بیوی بھی اسی جائیداد میں اپنے حصے کے لئے مساوی طور سے حق دار ہے۔

شادی سے متعلق قانون میں ترمیم کا بل 2010 کے نام سے ایک بل کابینہ نے منظور کیا تھا جو راجیہ سبھا میں بحث کے لئے زیر التوا ہے نیز خواتین کے حقوق کے سلسلے میں کچھ بڑی تبدیلیاں تجویز کی گئی ہیں کہ جائیدادیں طلاق کے بعد کیسے تقسیم کی جائیں گی۔ ''طلاق سے متعلق قانون 2012 کے مطابق جائیداد میں بیوی کا حصہ اس کے شوہر کی تمام رہائشی جائیدادوں میں 50 فی صد ہوگا، کچھ مضائقہ نہیں کون سی نیز دیگر جائیدادوں میں اس کے حصے کے بارے میں فیصلہ عدالت کے فیصلے کے مطابق کیا جائے گا''۔

اس ترمیم کے ساتھ اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ حسب ذیل ہے:

اس وضع قانون کو ہنوز قانون بننا ہے اور درحقیقت ایک بدبختانہ بات یہ ہے کہ آزادی کے بعد سے فی صد کے لحاظ سے پارلیمنٹ میں خواتین کی نمائندگی بے پایاں طور سے نیچے جاتی رہی تھی۔ روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن یہ ہے کہ پنچایتوں کے انتخابات میں اس طرح کے ریزرویشن کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ دیہی ترقی اور پنچایتی راج کے وزیر بریندر سنگھ نے کہا ہے کہ حکومت پارلیمنٹ کے بجٹ اجلاس میں پنچایتوں میں خواتین کے لئے ریزرویشن 33 فی صد سے بڑھا کر 50 فی صد کرنے کے لئے ایک آئینی ترمیم پیش کرے گی جسے پہلے یو پی اے کابینہ نے منظور کیا تھا۔ فیصلہ کرنے والی حیثیتوں میں خواتین کی ایک زیادہ بڑی نمائندگی کی سمت یہ ایک چھوٹا تاہم اہم قدم ہے۔

''شادی کے ناقابل تلافی طور سے ٹوٹ جانے'' کا اعتراف

چندر لیکھا ترویدی بمقابلہ ایس پی ترویدی (1993) ڈی ایم سی 271 ایس سی، جے ٹی 1993 (4) ایس سی 644 کے مقدمے میں سپریم کورٹ نے شادی کے ناقابل تلافی طور سے ٹوٹ جانے کی اصلاح کا

استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس نے یہ معین کیا ہے کہ شادی ''منسوخ'' ہے۔ شادی کے نو سال بعد شوہر نے ظلم کیا نیز نوجوان لڑکوں کے ساتھ بیوی کی گہری دوستی کی بنا پر طلاق کی کارروائی شروع کی تھی۔ بیوی نے بھی شوہر کے خلاف اسی طرح کے الزامات لگائے تھے۔ جب ہائی کورٹ نے طلاق کا فیصلہ دیا تھا تو ان کی واحد بیٹی کی پہلے ہی شادی ہو چکی تھی۔ اپیل کرنے پر سپریم کورٹ نے محسوس کیا تھا کہ چوں کہ شادی منسوخ ہو چکی ہے، اس لئے الزامات اور جوابی الزامات کے بارے میں فیصلہ دینا لا حاصل ہوگا۔

شادی ترمیمی قانون 2010 کی دفعہ 13 سی، ڈی، ای سے ہندوستان کے آئین کی دفعہ 14، 15، 21 اور 25 کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے

''قانون ایک عورت کو جو شادی سے نمٹنے کے سلسلے میں جذباتی طور سے اور ذہنی طور سے نا قابل ہے، اس صورت میں بھی جب کہ یہ بات مسلمہ ہے کہ شادی منسوخ ہے، اپنے شوہر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھے رہنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ باہمی رضامندی سے طلاق کی درخواست قائم رکھنے اور مقدمہ چلانے کے لئے شوہر کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے بیوی پر دباؤ صنفی انصاف کے اصولوں کی نیز اس کے ذریعہ سے آئین کی دفعہ 14 اور 21 کی خلاف ورزی ہے''۔ یہ دیکھا گیا ہے

تاہم جہاں تک مسلم خواتین کو بااختیار بنانے کا تعلق ہے، ہندوستان میں قوانین کی پیش رفت اس لحاظ سے تقریباً ساکن ہے جب ہم موجودہ عالمی شرح سے اس کا موازنہ کرتے ہیں۔ یہ بات ضروری اور معقول ہے کہ جب قوانین کے وضع کرنے کی بات آتی ہے تو ہم خواتین کے حقوق سے مذہب کے ٹیگ کو دور رکھیں۔ ایک زیادہ ترقی یافتہ اور ترقی پسند سماج کے طور پر یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مظلوموں کے کاز کو اٹھائیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ مذہبی طریقوں اور رواجوں پر سوال کرنے کی ہماری نااہلیت کی وجہ سے مسلم خواتین کو تعصب کے خلاف اس لڑائی میں پیچھے نہ چھوڑ دیا جائے۔

کہ وہ فریقین جنہوں نے باہمی رضامندی کے لئے درخواست دی ہے، اس صورت میں وہ فریقین جنہوں نے باہمی رضامندی کے لئے درخواست دی ہے، اس صورت میں متاثر ہوتے ہیں، اگر دونوں فریقوں میں سے ایک فریق عدالت کی کارروائیوں سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے نیز طلاق کی کارروائیوں کو غیر فیصلہ کن رکھتا ہے۔

خواتین کے ریزرویشن کا بل (آئین میں 108 ویں ترمیم کا بل 2008

اس تاریخی اقدام نے 2010 میں قانون سازی کی پہلی رکاوٹ دور کی تھی۔ اس سے پہلے خواتین کے ریزرویشن سے متعلق بل کے 18 سالہ سفر میں پارلیمنٹ کی ہر ایک نشست میں بہت زیادہ ڈرامہ اور رکاوٹیں دیکھنے میں آئی تھیں۔ خواتین کے ریزرویشن کے نام سے عام طور سے مشہور اس بل کا مقصد لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں میں خواتین کے لئے ایک تہائی نشستیں مخصوص کرنا ہے۔ مئی 2008 میں یو پی اے-I کی حکومت کے پیش کردہ اس بل میں اس بات کے پیش کردہ اس بل میں اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبیلوں کے لئے مخصوص کردہ نشستوں کی کل تعداد کا ایک تہائی حصہ ان گروپوں کی خواتین کے لئے مخصوص کیا جائے گا۔ 1990 کے دہے کے آخر میں اسی طرح کے بل پہلے تین بار پیش کئے جا چکے ہیں لیکن ان کی متعلقہ لوک سبھاؤں کو تحلیل کئے جانے کی وجہ سے یہ بل ختم ہو گئے تھے۔

☆ آئین میں 108 ویں ترمیم کے بل 2008 کا مقصد لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں میں خواتین کے لئے ایک تہائی نشستیں مخصوص کرنا ہے۔ مخصوص کردہ نشستوں کی تخصیص کا تعین پارلیمنٹ کے ذریعے مقرر کردہ اتھارٹی کے ذریعہ کیا جائے گا۔

☆ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبیلوں کے لئے مخصوص کردہ نشستوں کی کل تعداد کا ایک تہائی حصہ لوک سبھا اور قانون ساز اسمبلیوں میں ان گروپوں کی خواتین کے لئے مخصوص کیا جائے گا۔

☆ مخصوص کردہ نشستیں ریاست اور مرکز کے زیر انتظام علاقے کے مختلف انتخابی حلقوں کے لئے باری باری سے مختص کی جا سکتی ہیں۔

☆ اس ترمیمی قانون کے شروع ہونے کے پندرہ سال بعد خواتین کے لئے نشستیں مخصوص کئے جانے کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔

خواتین کو با اختیار بنانا ایک مستقل لڑائی ہے نیز یہ ایسی لڑائی نہیں ہے جو مجموعی طور سے سماج کے تعاون کے بغیر آگے بڑھ سکے۔ اس سلسلے میں صرف ذہنی سوچ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ خواتین دنیا کی آبادی کے نصف حصے کی نمائندگی کرتی ہیں نیز صنفی عدم مساوات ہر ایک ملک میں موجود ہے۔ گو لازمی مواصلات اور اطلاعات کی روکاٹ کو دور کرنے کی غرض سے متبادل ذرائع ابلاغ ایک پلیٹ فارم یا پل کا کام کر سکتے ہیں لیکن تعلیم تمام بنی نوع انسانوں کے لئے ایک بنیادی لازمی اور اولین شرط ہے۔ جب تک کہ خواتین کو وہی مواقع فراہم نہیں کئے جاتے ہیں، جو مردوں کو فراہم ہیں، اس وقت تک سماج کے مقدر میں اپنی حقیقی صلاحیت سے کہیں کم کام کرتے رہنا لکھا رہے گا۔

☆☆☆

ڈاکٹر سبھاش شرما

خواتین کو با اختیار بنانا

ایک تنقیدی جائزہ

1789 کے انقلاب فرانس کو انسانیت کی آزادی تصور کیا جاتا ہے لیکن یہ خواتین اور غلاموں کو آزادی نہیں دلا سکا کیوں کہ اس کے علامیہ میں صرف 'مردوں اور شہریوں کے حقوق' پر توجہ مرکوز کی گئی تھی۔ جبکہ خواتین اور غلاموں کو 'شہری' کی تعریف میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور خواتین 'مرد' نہیں تھیں۔ اگر ہم بایولوجیکل، سماجی - ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور مقامی پہلوؤں سے مرد۔عورت تعلق پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں بالخصوص ہندوستانی دیہی پس منظر میں کئی طرح کے اختلافات، دوریاں، تفریق، محرومیاں اور بااختیاری کا فقدان مختلف شکلوں میں دکھائی دیتا ہے۔

ہندوستان میں روزمرہ کی زندگی میں مختلف شعبوں میں مرد۔عورت تعلقات میں مساوات نہیں ہے کیوں کہ مردوں کو خاندانی فیصلوں میں 'سب کچھ' اور 'حتمی' سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قومی سطح پر اسکولوں میں اندراج کے معاملے میں لڑکیاں لڑکوں سے 6-9 سال عمر کے گروپ میں %95.4، 10-14 سال عمر گروپ میں %93.7 اور 15-17 سال عمر گروپ میں %83.8 پیچھے ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کے معاملے میں چوٹی کی پانچ ریاستیں ہیں کیرالہ، مہاراشٹر، تمل ناڈو، تلنگانہ اور جموں و کشمیر جب کہ پانچ سب سے نچلی سطح والی ریاستیں ہیں راجستھان، گجرات، اوڈیشہ، مدھیہ پردیش اور اترپردیش۔ یکساں مشاہرہ قانون 1948 کے باوجود ایک ہی کام کے لئے (تمام ذاتوں، خطوں اور مذاہب سے تعلق رکھنے والی) خواتین کو مردوں کو مقابلے %20 تا %50 اجرت کم ملتی ہے۔ یہ امتیازی سلوک دیہی اور شہری دونوں ہی علاقوں میں عام ہے گوکہ دیہی علاقوں کے مقابلے میں شہری علاقوں میں مرد و خواتین دونوں کو زیادہ اجرت ملتی ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم کی سطح میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مرد اور خواتین دونوں ہی طرح کے ورکروں کی اجرتوں میں اضافہ ہوا ہے اور دونوں کے اجرتوں کے درمیان کا فرق کچھ کم ہوا ہے۔ اسی سے باہم تین معاملات ہیں۔ (a) غربت کو عورتوں سے جوڑنا (b) ملازمتوں کا، بالخصوص عورتوں کے لئے عارضی، غیر رسمی اور کانٹریکٹ نظام اور (c) خواتین کا جنسی استحصال- خواتین /لڑکیوں کی بردہ فروشی کا بڑھتا ہوا رجحان، کال گرلس اور جسم فروشی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ۔

ہندوستان میں خواتین کی صحت کی صورت حال اب بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ گوکہ بہتر میڈیکل سہولیات کی وجہ سے زچگی کے دوران عورتوں کی اموات کی شرح 2000 میں 301 فی لاکھ سے گھٹ کر 2013 میں 167 ہوگئی ہے تاہم ہزاروں خواتین اب بھی زچگی کے دوران مختلف پیچیدگیوں کی وجہ سے موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں ۔ ان میں اہم اسباب ہیمرج %30، انیمیا %19، سیپسس %16 ، آبسٹرکٹیڈ لیبر %10، ٹوکسیمیا %8 اور دیگر %17 ہیں۔ اس کا اہم سبب غربت، بے روزگاری، بیداری کی کمی اور طبی سہولیات (کم اسپتال، بستر، ڈاکٹر ، نرس، دوائیں وغیرہ) کا فقدان ہے۔ بہر حال نیشنل رورل ہیلتھ مشن کی وجہ سے پورے ہندوستان میں ادارہ جاتی زچگی میں اضافہ ہوا ہے اور 2006-2011 کے دوران یہ %42 سے بڑھ کر %84 تک پہنچ گئی ہے۔

دوسرا مسئلہ ہندوستان میں خواتین کے خلاف جرائم بالخصوص عصمت دری، اغوا، دست درازی، چھیڑ خانی، جہیز کی وجہ سے ہونے والی اموات وغیرہ کی شرح میں اضافہ ہے۔ 2013 میں خواتین کے خلاف 3.095 لاکھ جرائم کے معاملات درج کرائے گئے لیکن سزا کی شرح نہایت غیر اطمینان بخش رہی۔ 2013 میں صرف %22، 2012 میں %21 اور 2011 میں %27 معاملات میں ہی سزائیں ہوسکیں جب کہ 2013-14 میں 212 فاسٹ ٹریک عدالتوں کے مقابلے میں 2011 میں ایسی عدالتوں کی تعداد 500 تھی۔ 2001 سے 2013 کے درمیان ہندوستان میں عصمت دری کے 2.63 لاکھ معاملات درج ہوئے یعنی ہر 20 منٹ پر عصمت دری کا ایک معاملہ پیش آیا۔ بدقسمتی

مضمون نگار وزارت اطلاعات ونشریات میں ایڈیشنل سکریٹری اور مالیاتی مشیر ہیں۔
sush84br@yahoo.com

سے عصمت دری کے 65% واقعات ایسے وقت پیش آئے جب خواتین رات کے وقت رفع حاجت کے لئے گئی تھیں (ہندوستان میں اب بھی 50% آبادی کھلے میں رفع حاجت کرتی ہے)۔ اس کے علاوہ بیداری کی کمی، مجرموں کے خوف، مقامی پولیس کے عدم تعاون، بدنامی کا ڈر وغیرہ کی وجہ سے ایسے بیشتر جرائم تھانوں میں درج نہیں کرائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اجتماعی عصمت دری کے بعد قتل کردینے کے واقعات میں بھی مسلسل اضافہ ہورہا ہے 16 دسمبر 2012 کو نئی دہلی میں نربھیا کی اجتماعی عصمت دری اور قتل کے واقعہ کے بعد بڑے پیمانے پر عوامی احتجاج دیکھنے کو ملا تھا اور بالآخر مجرموں کو (صرف نوعمر مجرم کو چھوڑ کر) موت کی سزا سنائی گئی تھی لیکن ان کی عرضیاں اب بھی سپریم کورٹ میں زیر التوا ہیں۔

II۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے قومی پالیسی (2001): اس پالیسی کا مقصد بہتر منصوبہ بندی، پروگرام کی تیاری اور وسائل کے مناسب الاٹمنٹ نیز صنفی اعداد وشمار یکجا کرنے کے لئے جنڈر ڈیولپمنٹ انڈیسیز (جی ڈی آئی) تیار کرنا ہے۔ نیشنل کونسل (وزیراعظم کی سربراہی میں) اور ریاستی کونسل (وزیراعلی کی سربراہی میں) تشکیل دینے ہیں، جس میں متعلقہ محکموں/وزارتوں، قومی/ریاستی کمیشن برائے خواتین، سوشل ویلفیئر بورڈوں، این جی او، خواتین کی تنظیموں، ٹریڈ یونینوں، کارپوریٹ سیکٹر، مالیاتی اداروں، تعلیمی اداروں کے نمائندے، ماہرین وغیرہ شامل کئے جائیں گے۔ تمام وزارتوں/محکموں کی طرف سے جاری کئے جانے والے فنڈ کا 30% خواتین کے لئے یقینی بنانا بھی اس میں شامل ہے۔ خواتین اور بہبود اطفال کی وزارت کو ان پروگراموں کا جائزہ لینے کے لئے نوڈل ایجنسی مقرر کیا گیا تھا۔ اس پالیسی کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(a) زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کی ترقی، ڈیولپمنٹ اور بااختیار بنانا

(b) خواتین کی ضروریات کے مدنظر عدالتی نظام کو زیادہ حساس بنانا

(c) اقتدار کی شراکت میں خواتین کی برابری اور فیصلہ سازی میں ان کی سرگرم شراکت

(d) ترقیاتی عمل میں صنفی پہلو کو اہم جگہ دینا

(e) متعلقہ ادارہ جاتی میکنزم کی تشکیل اور استحکام

(f) کمیونٹی پر مبنی تنظیموں کے ساتھ پارٹنرشپ

(g) بین الاقوامی عہد بندیوں، وعدوں کو نافذ کرنا اور بین الاقوامی، قومی اور علاقائی سطح پر بالخصوص سی ای ڈی اے ڈبلیو، سی آر سی اور آر سی ڈی ڈی + 5 کے ساتھ تعاون کرنا۔

اقوام متحدہ ڈیولپمنٹ پروگرام نے آٹھ ملینیم ترقیاتی اہداف (ایم ڈی جی) کا اعلان کیا تھا ان میں سے تیسرے ہدف کا براہ راست تعلق 2015 تک خواتین کو بااختیار بنانے، تعلیم میں تمام سطحوں، پرائمری اور سیکنڈری پر صنفی تفریق کو ختم کرنے سے ہے۔ لیکن ہم 2015 تک اس ہدف کو حاصل کرنے میں ناکام رہے گوکہ ہندوستان میں تمام علاقوں اور برادریوں میں تمام سطحوں پر لڑکیوں کے اندراج کی صورت بہتر ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نوزائیدہ، بچوں اور حاملہ خواتین کی شرح اموات کو کم کرنے کا ہدف بھی حاصل نہیں کرسکے۔ اسی طرح روزگار اور فیصلہ سازی میں خواتین کی شراکت اطمینان بخش نہیں ہے، حالانکہ لبرلائزیشن، پرائیوٹائزیشن اور گلوبلائزیشن کی وجہ سے روزگار کے مواقع بڑے پیمانے پر پیدا ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی معیشت کے بیشتر شعبوں میں 'بے روزگار ترقی' ہوئی ہے، البتہ مینوفیکچرنگ میں بہتری آرہی ہے۔ غربت کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل دی گئی تندولکر کمیٹی کے مطابق 10-2009 میں آبادی کا 29.8% (35 کروڑ) خط افلاس سے نیچے زندگی گذار رہا تھا۔ 2002 سے 2015 کے درمیان ترقی کی شرح میں 7.5 % تک کے اضافہ کے باوجود صورت حال کم وبیش ویسی ہی ہے۔ پائیدار ترقیاتی اہداف کے تحت 2030 تک جو نشانہ مقرر کیا گیا ہے اس میں ایم ایم آر کو گھٹا کر 70 فیصد تک، آئی ایم آر کو 12 فیصد تک، بچوں کی شرح اموات کو 25 تک لانا ہے اور سب کے لئے صحت، سب کے لئے ہمہ جہت اور مشترکہ تعلیم، خواتین اور مردوں کے درمیان مساوات اور لڑکیوں اور خواتین کو ہر طرح کے تشدد سے تحفظ فراہم کرنا شامل ہے۔

گوکہ تعلیم یافتہ /ورکنگ خواتین چھوٹا خاندان کو ترجیح دیتی ہے اور اس کے لئے تاخیر سے شادی، دو بچوں کے درمیان زیادہ وقفہ، نسبندی وغیرہ طریقے استعمال کرتی ہیں۔ اس کے باوجود خواتین کے لئے تعلیم اور روزگار کے معاملے میں زیادہ وسائل، تحریک اور بیداری پیدا کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ڈگری سطح تک تعلیم کو مفت، بہتر اسکول/ کالج انفرا اسٹرکچر کی فراہمی، مناسب تعداد میں تربیت یافتہ اساتذہ، تمام اسکولوں اور کالجوں میں اپ اسکلنگ، ری اسکلنگ اور ملٹی اسکلنگ نیز خواتین کے لئے آئی ٹی آئی اور پالی ٹیکنک میں مارکیٹ، ریاست اور سول سوسائٹی کی مانگ کے مطابق ٹریڈ میں تربیت کا نظم کیا جانا چاہئے۔ اسکل ڈیولپمنٹ اور انٹرپرینیورشپ کی ایک نئی وزات قائم کی جاچکی ہے۔

III۔ خواتین کے لئے مرکزی حکومت کی اسکیمیں: سبلا (نوعمر لڑکیوں کو بااختیار بنانے کے لئے راجیو گاندھی اسکیم) کو 205 منتخب اضلاع میں آئی سی ڈی ایس کے ذریعہ نافذ کیا جارہا ہے۔ اس کے لئے غذائیت کو چھوڑ کر دیگر چیزوں (آئرن اور فولک ایسڈ، ہیلتھ چیک اپ اور ریفرل سروس، خاندانی بہبود پر مشورہ، بچوں کی دیکھ بھال کا طریقہ سکھانے، گیارہ سے اٹھارہ برس کی لڑکیوں کے لئے لائف اسکل اور سولہ سے اٹھارہ برس کی لڑکیوں کیلئے ووکیشنل ٹریننگ) کے لئے 100% مرکزی مدد دی جاتی ہے، جب کہ غذائیت کے لئے 50% مرکزی مدد دی جاتی ہے۔ 15-2014 میں (31 دسمبر 2014 تک) غذائیت کے پروگرام کے تحت 98.15 لاکھ لڑکیوں کا احاطہ کیا گیا جب کہ 0.42 لاکھ لڑکیوں کو ووکیشنل ٹریننگ دی گئی۔ اس سلسلے میں کامیابی کی ایک کہانی مغربی بنگال میں مالدہ ضلع کے انگلش بازار میں رہنے والی کاجل بھگت کی ہے، جس نے ایک آنگن واڑی کارکن کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے اٹھارہ برس سے پہلے

شادی کرنے سے انکار کردیا۔ ماتر تیوا سہیوگ یوجنا کو پہلی مرتبہ آئی سی ڈی ایس کے ذریعہ ہندوستان میں 53 منتخب اضلاع میں نافذ کیا گیا۔ انیس برس یا اس سے زیادہ عمر کی حاملہ خواتین کو پہلے دو بچوں کے لئے حمل اور رضاعت کے مدت دوران چھ ہزار روپے کی مدد دو برابر قسطوں میں دی جاتی ہے۔ یہ 2010-11 سے مرکزی اعانت یافتہ اسکیم ہے۔ 2016-17 میں اسے توسیع دے کر ملک بھر میں نافذ کردیا گیا ہے۔ 2015-16 کے دوران نیشنل فوڈ سیکورٹی ایکٹ کے نفاذ کے لئے 1497 کروڑ روپے مرکزی حصہ کے طور پر دئے گئے۔ مصیبت کا شکار (بیوائیں، قید سے رہائی، قدرتی آفات کی وجہ سے بے گھر ہوجانے والی، بردہ فروشی کا شکار ہوجانے والی، گھر سے بھاگ جانے والی، جسم فروشی کے اڈوں سے بچائی گئی، دہشت گردانہ یا انتہاپسندی کے واقعات کا شکار ہوجانے والی، ذہنی طور پر معذور، ایچ آئی وی ایڈس سے متاثرہ) خواتین کے لئے مرکزی حکومت نے 2001-02 میں سودھار اسکیم شروع کی تھی، جس کے تحت مذکورہ خواتین کو پناہ گاہ، کھانا، کپڑا، باز آبادکاری، جذباتی تعاون، طبی اور قانونی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ مصیبت سے دوچار خواتین کے لئے ہیلپ لائن کا انتظام ہے۔ اس وقت ریاستی حکومت کی خواتین ڈیولپمنٹ کارپوریشن یا ٹرسٹ وغیرہ کے تحت 311 سودھار ہوم کام کررہے ہیں۔ 2013-14 کے دوران سودھار کے لئے بجٹ میں 75 کروڑ روپے مختص کئے گئے تھے جس میں سے 53.74 کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ 2014-15 میں اس کے لئے بجٹ میں 115 کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ اجوولا اسکیم 2007 میں شروع کی گئی تھی۔ اس کا مقصد خواتین کو بردہ فروشی سے بچانا ہے۔ اس کے تحت بردہ فروشی کا شکار ہونے والی خواتین کو تحفظ، بچاو، باز آبادکاری، سماج میں دوبارہ شمولیت پر توجہ دی جاتی ہے۔ 2014-15 کے دوران اس اسکیم کے تحت 16 کروڑ روپے کے 289 پروجیکٹوں کو منظوری دی گئی۔ اسٹیپ (STEP) پروگرام (تربیت اور روزگار پروگرام کے لئے مدد) کا آغاز سینٹرل سیکٹر اسکیم کے طور پر 1986-87 میں کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد سولہ سال سے زیادہ عمر کی لڑکیوں کو ہنرمند بنانا ہے۔ 2013-14 کے دوران اس اسکیم کے لئے مختلف ریاستوں کو 7 کروڑ روپے جاری کئے گئے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ 31 دسمبر 2014 تک ملک بھر میں ورکنگ خواتین کے لئے 915 ہاسٹل کام کررہے تھے جن میں 68631 خواتین مقیم تھیں۔ 2014-15 کے دوران ورکنگ وومن ہاسٹلوں کی تعمیر کے لئے بجٹ میں پچیس کروڑ روپے الاٹ کئے گئے۔ قومی سطح پر افراد/ تنظیموں کو چھاستری شکتی پرسکار دئے جاتے ہیں، ہر انعام کے ساتھ تین لاکھ روپے نقد دئے جاتے ہیں۔ ہر ریاست اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے لئے ایک ایک راجیہ مہیلا سمان (40 ہزار روپے) اور ہر ضلع کے لئے ایک ایک ضلع مہیلا سمان (20 ہزار روپے) دیا جاتا ہے۔ بیٹی بچاو، بیٹی پڑھاو بھی مرکزی حکومت کی ایک اہم اسکیم ہے۔

IV- **سفارشات1**:- وان اسٹیورن نے تولیدی آزادی کے سلسلے میں خواتین کے لئے چھ استحقاق کا بالکل درست مشورہ دیا ہے

ا۔ مانع حمل طریقوں تک رسائی

ب۔ بچوں کے پیدائش سلسلے میں (کب اور کتنے) فیصلہ سازی تک رسائی

ج۔ جنس کے متعلق تعلیم اور معلومات تک رسائی

د۔ والدین اور بچوں کے لئے ہیلتھ کیئر (تولیدی) تک رسائی

ہ۔ مادریت/پدریت کے بجائے دیگر متبادل رول تک رسائی

و۔ اقتصادی وسائل تک رسائی

تاہم آج کل خاندانی بہبود کی اتنی پبلسٹی نہیں کی جاتی ہے جتنی پہلے کی جاتی تھی لہذا اس کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو خواتین کے لئے بنیادی سطح تک 30% فنڈنگ کو یقینی بنانا چاہئے۔ تمام سرکاری ایجنسیوں کو منظم سیکٹر میں ملازمتوں کو ترجیح دینی چاہئے اور پرائیوٹ سیکٹر کو خواتین کے لئے زیادہ کھولنے کی ضرورت ہے تاکہ کارپوریٹ سوشل ریسپانسبلیٹی کے تحت صنفی انصاف کو یقینی بنایا جاسکے۔ مالی مدد کے لئے بینکوں کے عدم تعاون کی وجہ سے سیلف ہیلپ گروپ کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔

ٹیبل

اپروچ	طریقہ کار	منصوبے
۱۔ بہبودی کا اپروچ	تعلیم بالخصوص ہوم سائنس، سلائی کڑھائی کے لئے لڑکیوں کو وظیفہ،	پہلا تا پانچواں منصوبہ (1951-1979)
۲۔ ترقی میں خواتین	غربت کا خاتمہ، صحت اور تعلیم	چھٹا اور ساتواں منصوبہ (1980-1990)
۳۔ خواتین کو بااختیار بنانا	خواتین کی ضرورتوں کو پورا کرنا، ترقیاتی عمل میں صنفی نظریہ	آٹھواں منصوبہ (1992-97)
۴۔ خواتین تبدیلی کے نقیب	سیلف ہیلپ گروپوں کے ذریعہ غریب خواتین کی مدد	نواں منصوبہ (1997-2002)
۵۔ ہیومن ڈیولپمنٹ	خواندگی، اجرت کی شرحوں اور زچگی شرح اموات میں کمی کا ہدف	دسواں اور گیارہواں منصوبہ (2002-2012)
٦۔ صنفی مساوات	مصیبت کا شکار ہونے والی خواتین کے تمام زمروں کی شمولیت	بارہواں منصوبہ (2012-17)

3۔ فیصلہ سازی کے قانون ساز اداروں میں خواتین کی نمائندگی کا خواب ابھی تک حقیقت کی شکل نہیں لے سکا ہے حالانکہ خواتین کے ریزرویشن کا بل راجیہ سبھا اور ریاستی اسمبلیوں میں 2010 میں ہی منظور ہو چکا ہے تاہم لوک سبھا میں یہ اب تک منظور نہیں ہو سکا ہے۔ مہاراشٹر، بہار، ہماچل پردیش، مدھیہ پردیش، راجستھان میں پنچایتی راج اداروں میں خواتین کو پچاس فیصد ریزرویشن حاصل ہے، دیگر ریاستوں میں انہیں ایک تہائی ریزرویشن دی گئی ہے۔

4۔ ہزاروں بیوائیں ورنداون (یوپی) میں تنہائی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے اور وہ غیر انسانی زندگی جی رہی ہیں (کھانا، کپڑا اور رہائش کے لئے بھیک مانگتی ہیں، بلڈر مافیاؤں نے آشرم کی زمینوں پر قبضے کر لئے ہیں، انہیں کسی طرح کا اولڈ ایج پنشن نہیں ملتا، جنسی استحصال کیا جاتا ہے، ان کے پاس نہ تو الیکشن شناختی کارڈ ہے اور نہ ہی راشن کارڈ، حتی کہ موت کے بعد ان کی آخری رسومات کا مناسب انتظام بھی نہیں ہو پاتا ہے)۔ یہی حال ان تین لاکھ سیکس ورکروں کا ہے جو ملک بھر کے جسم فروشی کے علاقوں میں رہتی ہیں اور بدترین زندگی سے دوچار ہیں۔ ان کے لئے ترجیحی بنیاد پر باز آبادکاری اور معاش کا متبادل نظم کرنے کی ضرورت ہے۔

5۔ خاتون کسانوں اور زرعی مزدوروں کی حالت بھی ابتر ہے۔ اسکی بڑی وجہ سیلاب، خشک سالی جیسے قدرتی آفات بھی ہیں اور زرعی پیداوار، دستکاروں کی خدمات اور صنعتی مصنوعات میں ان کو ملنے والی غیر منصفانہ حصہ داری، کم اور غیر مساوی اجرت، خراب صحت اور صفائی ستھرائی بھی ہے۔ 2013-14 میں بہار میں زچگی کے دوران چھ ہزار اموات ہوئی تھیں لیکن سرکاری افسران نے صرف 352 اموات کا ہی اندراج کیا۔ یہ اعتراف بہار کے ریاستی ہیلتھ سکریٹری نے کیا تھا (ٹائمس آف انڈیا 31 اگست 2014)۔ جب ہم تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آج سے تقریباً 300 سال قبل مغل بادشاہ شاہ جہاں کی ملکہ ممتاز محل بچے کی پیدائش کے دوران چل بسیں اور بادشاہ نے اپنی ملکہ کی یاد میں آگرہ میں تاج محل کی تعمیر کرا دی لیکن اسی دور میں ایک سویڈش ملکہ کو زچگی کے دوران جب کچھ پیچیدگی پیدا ہوئی تو بادشاہ نے اپنی ملکہ کی جان بچانے کے لئے فرانسیسی ڈاکٹروں کو طلب کر لیا اور بعد میں زچگی کے معاملات کو دیکھنے کے لئے دیہی خواتین کی تربیت کے لئے نرسنگ اسکول قائم کر دئے۔ اس وقت سویڈن میں سب سے کم ایم ایم آر (8) اور آئی ایم آر (5) ہے جب کہ ہندوستان میں یہ بہت زیادہ یعنی 38 آئی ایم آر اور 167 ایم ایم آر ہے۔ اس کے مقابلے میں بنگلہ دیش اور نیپال جیسے ملکوں میں بالترتیب 31 اور 29 آئی ایم آر ہے۔ 1990-2012 کے دوران ہندوستان میں آئی ایم آر میں 50% کی کمی آئی جب کہ بنگلہ دیش میں 67% اور نیپال میں 66% کی کمی آئی کیوں کہ ہندوستان اپنی جی ڈی پی کا صرف 1.3% صحت پر خرچ کرتا ہے جب کہ برطانیہ 7.6% اور امریکہ 8.1% خرچ کرتا ہے۔ صحت پر فی کس خرچ بھی غیر اطمینان بخش ہے۔ ہندوستان میں فی کس 61 ڈالر خرچ کیا جاتا ہے جب کہ سری لنکا میں 102 ڈالر، برطانیہ میں 3598 ڈالر اور امریکہ میں 9146 ڈالر خرچ کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں صرف اٹھارہ فیصد لوگوں کا ہیلتھ انشورنس ہے۔ اس ضمن میں پردھان منتری سرکشا بیمہ یوجنا اور پردھان منتری جیون جیوتی یوجنا اچھی شروعات ہیں۔ اسی طرح سات ویکسینس پر مشتمل مشن اندر دھنش بھی صحیح سمت میں مناسب قدم ہے۔ سوچھ بھارت مہم بھی قابل قدر پیش رفت ہے کیوں کہ صفائی ستھرائی پر ایک ڈالر کا خرچ صحت، تعلیم اور اقتصادی ترقی پر ہونے والا نو ڈالر کا خرچ بچاتا ہے۔ ہندوستان میں 640 اضلاع میں سے صرف 193 میں میڈیکل کالج اور اسپتال ہیں۔ ہندوستان میں 70-80% طبی سہولیات پرائیوٹ سیکٹر کے ذریعہ فراہم کرائے جاتے ہیں۔ لہذا سرکاری سیکٹر کے اخراجات میں جی ڈی پی کا 2.5-3% کا اضافہ کیا جانا چاہئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف منصوبوں میں مختلف اپروچ پر توجہ مرکوز کی گئی۔

آخری یہ کہ خواتین کے خلاف جرائم کے مقدمات چلانے کے لئے پورے ملک میں صرف سولہ ریاستوں میں 212 فاسٹ ٹریک عدالتیں قائم کی جا سکی ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یوپی، بہار اور گجرات میں اس طرح کی عدالتیں وقت پر قائم نہیں کی جا سکیں۔ قانون و انصاف کی مرکزی وزارت نے اس کے لئے سالانہ 80 کروڑ روپے کا فنڈ الاٹ کیا ہے۔ اس سے قبل جب مرکزی حکومت 2011 میں اس طرح کی فاسٹ ٹریک عدالتیں چلاتی تھی تو اس وقت ہندوستان میں ایسی عدالتوں کی تعداد 500 تھی۔ لہذا ضرورت ہے کہ ایسی عدالتوں کو چلانے کے لئے حکومت ہند 80% مالی امداد دے تاکہ عصمت دری کے قصورواروں کو جلد از جلد سزا دلائی جا سکے، جو 2013 میں صرف 22% تھی۔ یوپی حکومت نے اگست 2014 میں فیصلہ کیا تھا کہ ہر ضلع میں اس طرح کی ایک فاسٹ ٹریک عدالت قائم کی جائے گی۔ ہندوستان میں 2012 میں جہیز سے متعلق معاملات میں اموات کی تعداد 8233 تھی، 2001-12 کے دوران یہ تعداد 91202 تھی لیکن اس طرح کے معاملات میں قصورواروں کو سزا کی شرح صرف 15% رہی کیوں کہ صرف قانون نافذ کرنے والی مشنری اور عدالتیں ہی سنجیدہ نہیں ہیں بلکہ بہت سے معاملات جھوٹ پر بھی مبنی ہوتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین (جو مجموعی آبادی کا 48% ہیں) کو بااختیار بنانے کے لئے ہمہ جہت اور سنجیدہ اقدامات کئے جائیں اور ٹھوس کارروائی، بالخصوص سیکورٹی، شمولیت اور ترقی کے لئے تمام فریقین کے درمیان باہمی ربط ہونا ضروری ہے اور مرد و خواتین کو مل کر کام کرنا ہوگا۔

☆☆☆

صفائی ستھرائی اور لڑکیوں کو بااختیار بنانا

صفائی ستھرائی آزادی سے زیادہ ضروری ہے۔

مہاتما گاندھی

اس میں دو رائے نہیں کہ ایک لڑکی کو تعلیم یافتہ بنانے کا مطلب پورے خاندان کو خواندہ بنانا ہے۔ لڑکی جب پڑھ لکھ لیتی ہے تو اس کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں جس سے وہ نہ صرف خود مختار بنے اور اپنے حقوق کا تحفظ کرے بلکہ دوسرے کے حقوق کے لئے بھی لڑے۔ تعلیم ہی وہ چابی ہے جس سے وہ غلط صحیح کی پہچان کرسکتی ہے۔ ماضی میں بہت کم لڑکیاں تعلیم حاصل کرپاتی تھیں لیکن موجودہ عہد میں اس پر کافی بیداری آئی ہے۔ اب لڑکیاں تعلیم حاصل کرکے نہ صرف تمام شعبوں میں بلکہ دفاع کے شعبہ میں بھی اپنے صلاحیت کا لوہا منوارہی ہیں۔

گزشتہ کچھ عرصہ سے ملک میں ایک خاموش انقلاب بپا ہے۔ وہ ہے خواتین کو صفائی ستھرائی کے تئیں بیدار کرنا، انہیں صفائی ستھرائی کے قابل بنانا یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ بیداری انہیں صحت کے اپنے بنیادی حق کے تئیں آگاہ کررہی ہے۔ ماہرین کے مطابق لڑکیوں کی تعلیم انہیں بااختیار بنانے کی مضبوط بنیاد ہے اور آج بلندیوں تک پہنچنے والی خواتین کی کامیابی کے پیچھے تعلیم کا سب سے اہم رول ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین صحت مند ہوں۔ اس کے بغیر وہ ملک کی تعمیر وترقی میں مثبت رول ادا نہیں کرسکتیں۔

ایک اندازہ کے مطابق گزشتہ کچھ عرصہ سے ملک میں پرائمری سطح پر اسکول کی تعلیم درمیان میں چھوڑ دینے والی لڑکیوں کی تعداد میں مسلسل کمی واقع ہورہی ہے۔ یہی نہیں، ایک سروے کے مطابق اس دوران پرائمری اسکولوں میں لڑکیوں کے داخلہ میں 12 فی صد کا اضافہ درج کیا گیا ہے۔ سینئر سکنڈری کی سطح پر یہ اضافہ 8 فی صد ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ 'سوچھ بھارت ابھیان' سے نہ صرف صفائی وستھرائی ملک کے ترقیاتی ایجنڈے کی فہرست میں چوٹی پر آگئی ہے بلکہ یہ صفائی مہم خصوصاً لڑکیوں کو بااختیار بنانے کی سمت میں اہم رول ادا کررہی ہے۔ یہ خاموش انقلاب ایک نئی امید جگارہا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے گزشتہ سال گاندھی جی کے یوم پیدائش پر 'سوچھ بھارت ابھیان' کا آغاز کیا تھا۔ اس ابھیان کے تحت 2019 تک ملک کو صاف ستھرا بنانے کا ہدف طے کیا گیا ہے جس کے تحت آئندہ پانچ برسوں میں یعنی 2019 تک اسکولوں، خاص طور پر لڑکیوں کے اسکولوں میں بیت الخلا بنانے کے ساتھ 1.04 کروڑ کنبوں کے لئے رفع حاجت گاہ بنانے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے تحت 2014-15 تک 50 لاکھ بیت الخلا بنائے بھی جاچکے ہیں۔

اس قسم کی مہموں کا اثر لڑکیوں کو بااختیار بنانے کے شعبہ میں واضح طور پر نظر آرہا ہے۔ سال 2005-06 میں جہاں لڑکیوں کے اسکولوں میں محض 37 فی صد ہی بیت الخلا تھے، وہیں گزشتہ سال یہ تعداد 93 فی صد تک پہنچ گئی۔ لڑکیوں کی پرائمری سطح کی تعلیم درمیان میں ہی چھوڑنے کے پس پردہ دیگر سماجی اقتصادی وجوہات کے ساتھ لڑکیوں کے اسکولوں میں بیت الخلا اور پانی کی عدم دستیابی نیز صفائی کا انتظام نہ ہونا بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ سال 2013-14 میں دیہی علاقوں میں جہاں سینئر سکنڈری اسکول چھوڑنے والی لڑکیوں کی تعداد 22.31 تھی، وہیں اب حالات میں تبدیلی آرہی ہے۔ نہ صرف اسکولوں میں داخلہ کے لئے آنے والی لڑکیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے بلکہ صفائی کے تئیں بیداری انہیں صحت مند بنانے کے ساتھ پراعتماد شہری بنارہی ہے۔ وہ اپنے آس پاس کے ماحول کو صاف ستھرا بنارہی ہیں، اسکولوں میں بیت الخلا کی تعمیر پر زور دے رہی ہیں۔ یہ تلخ حقیقت ہے کہ 67.3 فی صد دیہی کنبے (تقریباً 11.3 کروڑ) بیت الخلا کی سہولت کا فائدہ نہیں اٹھاپاتے۔ ایک معروف ماہر تعلیم کے مطابق اس طرح کے ابھیان سماجی بیداری پیدا کرنے میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔ اس کے لئے صرف سرکار سے امید نہیں کرنی چاہئے، بلکہ لوگوں کو بھی

مضمون نگار صحافی ہیں۔

اس میں ہاتھ بٹانا چاہئے۔خوشی کی بات ہے کہ اب عام آدمی جس طرح سے صفائی ستھرائی کی اہمیت کو نئے سرے سے سمجھ رہا ہے،کمیونٹی اس مہم سے جڑ رہی ہے اور یہی اس طرح کی مہم کی کامیابی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

لڑکیوں کو بااختیار بنانے کی پہلی سیڑھی تعلیم ہے۔جب تک انہیں خواندہ نہیں بنایا جائے گا تب تک وہ ان کی فلاح و بہبود کی بات کرنا فضول ہے۔معروف دانشور سنجیو دگل کے مطابق حکومت ان خواتین کے لئے جو کل وقتی تعلیم حاصل نہیں کر رہی ہیں، ووکیشنل ایجوکیشن کو کیسے لازمی بنا سکتی ہے۔ ہندوستان میں ملازمت اور نوکری کو 'تعلیم کی بنیاد' کے بجائے 'ہنر کی بنیاد' میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔حکومت کی طرف سے 'بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ' اور 'ڈیجیٹل انڈیا' جیسی اسکیموں کے آغاز کے بعد نوجوانوں اور بالخصوص خواتین کے لئے کمپیوٹر کے استعمال (ہر شعبہ میں) کی تعلیم لازمی کر دینی چاہئے اور انہیں اس کی تربیت دی جانی چاہئے۔اگر حکومت درج بالا گروپ کے ایک بڑے حصے کو اپنے پروگراموں کے تحت لانے میں کامیاب ہوگئی تو انہیں بااختیار بنانے اور ان کی زندگیوں کو تبدیل کرنے کے خواب بڑی حد تک حقیقت میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

یونیسیف کے ایک تخمینہ کے مطابق آزادی کے تقریباً 68 سال بعد آج بھی ہندوستان میں تقریباً 60 کروڑ لوگ یعنی نصف آبادی کھلے میں رفع حاجت کے لئے جاتی ہے۔ حالاں کہ راحت کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں کئے گئے اقدامات کی وجہ سے ہندوستان میں گزشتہ برسوں میں 30 فی صد کی کمی آئی ہے۔لیکن لازمی طور پر خواتین اور بچیوں کے کھلے میں رفع حاجت کی مجبوری ہمارے لئے باعث شرم ہے۔ایک اور حیرت انگیز سچائی ہے جسے جان کر آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ متعدد حاملہ مائیں اور بچیاں شکم سیر ہو کر یعنی پیٹ بھر کر کھانا صرف اس لئے نہیں کھاتیں کہ انہیں وقت بے وقت بیت الخلا جانا پڑے گا اور بیت الخلا کی ان کے پاس سہولت نہیں ہے۔اس کے نتیجے میں رحم مادر میں پلنے والا بچہ غذائیت کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے۔خواتین اگر صاف ستھرے ماحول میں بچے کو جنم دیں گی اور اس کی اچھی طرح پرورش کریں گی تو ملک کی آئندہ نسل کا مستقبل روشن ہوگا اور ملک مضبوط اور ترقی کی جانب گامزن ہوگا۔

ایک اور بات جس کا ذکر بہت ضروری ہے کہ ہندوستان کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے لیکن اس میں بچیوں کا تناسب کم ہوتا جا رہا ہے۔سال 2001 کی مردم شماری کے مطابق 1000 لڑکوں کے مقابلے 927 لڑکیاں تھیں، وہیں 2011 میں یہ تخمینہ مزید نیچے گر کر 919 رہ گیا۔بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ مہم سے اس سمت میں مثبت تبدیلی آئی ہے۔امید کی جاتی ہے کہ آئندہ اس میں مزید تبدیلی آئے گی۔

وزیر اعظم نریندر مودی صفائی ستھرائی پر خاص زور دے رہے ہیں۔سرکار کا یہ اعلان اسی سمت میں ایک قدم تصور کیا جا رہا ہے۔مہاتما گاندھی بیت الخلا کو سماجی تبدیلی کے آلہ کے طور پر دیکھتے تھے۔گاندھی جی سے تحریک حاصل کرتے ہوئے گزشتہ سال 2 اکتوبر کو گاندھی جی کے یوم پیدائش کو 'سوچھ بھارت ابھیان' شروع کیا گیا تاکہ سال 2019 میں گاندھی جی کے 150 ویں یوم پیدائش تک ان کے صاف ستھرے بھارت کے خواب کے شرمندہ تعبیر کیا جا سکے۔ بابائے قوم مہاتما گاندھی نے ہمیشہ صفائی ستھرائی کو بہت اہمیت دی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ صفائی ستھرائی آزادی سے زیادہ ضروری ہے۔ 15 اگست 2014 کو لال قلعہ کی فصیل سے قوم کو خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نریندر مودی نے سوچھ بھارت ابھیان کا اعلان کیا۔وزیر اعظم نے ایک بھارت سریشٹھ بھارت، سب کا ساتھ سب کا وکاس کا جو نعرہ دیا، وہ خواتین کو تفویض اختیارات کی سمت میں بہت اہم قدم ہے۔وزیر اعظم نے کہا بھی کہ سوچھ بھارت ابھیان مہاتما گاندھی کے ادھورے خواب کو پورا کرنا ہے۔گاندھی جی کی خواہش تھی کہ ہندوستان صاف ستھرا بنے۔ اسی سوچھ بھارت ابھیان کے ساتھ وزیر اعظم نے پورے ملک میں بیت الخلا بنانے میں پیش قدمی کی۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کے گاؤں میں 60 فی صد سے بھی زیادہ لوگ آج کھلے مقام پر رفع حاجت کے لئے جا رہے ہیں جس سے کئی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ماں بہنوں کو باہر جانا پڑتا ہے۔وزیر اعظم نے کارپوریٹ سماجی ذمہ داری کے دائرے میں آنے والی کمپنیوں سے بھی اس کام کو آگے بڑھانے میں مدد کی اپیل کی۔ یہ بات صحیح ہے کہ کھلے میں رفع حاجت ملک کے لئے بہت بڑا مسئلہ ہے۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق ملک میں 53 فی صد گھروں میں آج بھی بیت الخلا نہیں ہے۔دیہی علاقوں میں 69.3 فی صد گھروں میں بیت الخلا کا فقدان ہے۔ صرف گاؤں کی ہی بات کریں تو زیادہ تر ریاستوں میں صورت حال مزید خراب ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ بچیوں اور خواتین کے کھلے میں رفع حاجت کے لئے جانے کے دوران وہ جنسی ہراسانی کا شکار ہو جاتی ہیں۔بیت الخلا نہ ہونے کا بڑا اثر خواتین کے تحفظ پر بھی پڑتا ہے۔بچپن میں صفائی ستھرائی کا شخصیت پر کافی اثر پڑتا ہے اور ان کی زندگی میں ہونے والی تبدیلی سے صحت مند زندگی کے لئے صفائی ستھرائی کا بہت اہمیت ہے۔اگر کسی گروپ میں یا خاص طور سے کسی کلاس میں چھوٹے بچے بچیوں سے اس موضوع پر گفتگو کی جائے کہ ان کے گھروں میں بیت الخلا ہے اور کن کے گھر کے لوگ رفع حاجت کے لئے باہر جاتے ہیں تو بچوں اور بچیوں کے کافی فرق دکھائی پڑتا ہے۔

مرکزی حکومت کے شروع کردہ سوچھ بھارت ابھیان کے ساتھ ریاستوں میں نرمل بھارت، مریادا ابھیان اور دیگر یوجنائیں چلائی جا رہی ہیں۔ مریاد ابھیان نام رکھ کر مدھیہ پردیش حکومت نے سوچھ بھارت ابھیان کو خواتین کے وقار سے جوڑ کر مشتہر کیا جس کا اثر لوگوں پر نظر آ رہا ہے۔لوگ اس بات سے متفق ہیں کہ خواتین کا کھلے میں رفع حاجت کے لئے جانا ان کے وقار کے منافی ہے۔مریادا ابھیان کی کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ گاؤں میں کس قدر پانی کی دستیابی ہے۔مختصر یہ کہ خواتین کو تفویض اختیارات فراہم کر کے بہت سے مسائل پر قابو پا سکتے ہیں۔حکومت سنجیدگی سے اس سمت میں قدم اٹھا رہی ہے۔لوگوں میں بیداری بھی آئی ہے لیکن اس سمت میں ابھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔ وومن امپاورمنٹ میں ہی کنبہ، سماج اور ملک کی ترقی پنہاں ہے۔خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے کئے جانے والے تمام دعوے اس وقت تک بے معنی ہیں جب تک انہیں تفویض اختیارات فراہم نہیں ہو جاتا۔☆

سبطین کوثر

بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ:

لڑکیوں کو بااختیار بنانے کی انوکھی پہل

ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ملک کی مجموعی آبادی میں عورتوں کی تعداد تقریباً 48 فی صد ہے۔ ان میں سے بیشتر خواتین اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ آج ملک میں خواتین کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن وہ تعلیم، صحت، معاشی شعبوں میں مردوں کے مقابلے اچھی حالت میں نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں خواتین پر پیدائش سے لے کر موت تک تشدد کے واقعات عام ہیں۔ خواتین پر تشدد کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ ان کی حیثیت دوئم درجے کی سمجھی جاتی ہے حتیٰ کہ بیٹیوں کو رحم مادر میں مار دیا جاتا ہے۔ ناخواندہ سماج میں تو یہ چلن عام تھا لیکن اب تو تعلیم یافتہ سماج میں بھی یہ لعنت سرایت کر گئی ہے۔ غیر تعلیم یافتہ سماج سے یہ برائی پڑھے لکھے لوگوں تک منتقل ہو چکی ہے۔ یہی نہیں سماج کے وقار کے نام پر ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ سماج میں ان کا استحصال بہت عام بات ہے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے 12 جنوری 2015 کو ہریانہ کی تاریخی سرزمین پانی پت سے بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ مہم کا آغاز کیا گیا کیوں کہ یہاں صنفی تناسب کافی بگڑا ہوا ہے۔ یہاں لڑکے اور لڑکیوں کا تناسب 1000:857 ہے اور پنجاب میں 1000:863 ہے۔ ان دونوں ریاستوں کا تناسب 919 سے کافی کم ہے۔ بہار اور گجرات کی حالت ان سے بہتر ہے جہاں فی 1000 مردوں کے مقابلے خواتین کی تعداد 909 ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ توازن ایک دن میں بگڑا ہے۔ اس کے پیچھے کئی اسباب ہیں۔ ان علاقوں میں جنین کا قتل عام بات تھی اور لوگوں نے وہ دور ابھی تک فراموش نہیں کیا ہے جب لڑکیوں کو پیدا ہونے کے بعد بھی مار دیا جاتا تھا۔ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ مہم کا مقصد صنفی امتیاز کو ختم کرنا ہے۔ ان کے معیار زندگی اور ان کی حفاظت کو یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے۔ ان کے تغذیہ میں سدھار لانے کے ساتھ ان کے لئے بے خوف و خطر ماحول فراہم کرانا ہے۔ فی الحال جن ریاستوں میں جنسی تناسب میں کافی فرق ہے یعنی گجرات، ہریانہ، پنجاب اور مہاراشٹر کے سو اضلاع کو بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ ابھیان کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ان اضلاع میں سخت قوانین، سماجی بیداری وغیرہ کے ذریعہ رحم مادر میں لڑکیوں کے قتل کو روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر یہ یوجنا کامیاب ہو جاتی ہے تو اسے مزید دوسرے اضلاع تک وسعت دی جائے گی۔ وزیر اعظم نریندر مودی نے ایک انوکھی صلاح یہ دی ہے کہ بچی کی پیدائش پر اس کے نام سے پانچ درخت لگائے جائیں

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ یوجنا میں لڑکیوں کی سماجی اور تعلیمی ترقی پنہا ہے۔ اس یوجنا کے لئے ابتدا میں 100 کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ ابھی یہ اسکیم ابتدائی مرحلہ میں ہے۔ اس پر موثر عمل درآمد میں کچھ وقت درکار ہے لیکن اس اسکیم سے بہت ساری توقعات وابستہ ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سے صنفی تناسب کو متوازن بنانے بہت مدد ملے گی۔

آجکل لڑکیوں کو بااختیار بنانے کے لئے حکومت کی سطح پر نیز رضاکارانہ طور پر کافی زور دیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا فائدہ بھی ہو رہا ہے۔ سرسری طور پر دیکھیں تو خواتین ہر شعبہ میں کامیابی کے ساتھ پیر جما رہی ہیں لیکن وہ ابھی بھی مردوں کے مقابلے کافی پیچھے

مضمون نگار آزاد صحافی ہیں۔

اورانہیں لڑکی کی شادی کے وقت کاٹ کر اس سے کچھ آمدنی حاصل کی جائے جس سے شادی کے وقت ہونے والے خرچ میں کسی حد تک مدد مل سکے گی۔

مفکر چارلس ای اے ہیملٹن نے خواتین کے بارے میں پیغمبر محمد کے پیغامات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان فطری طور پر معصوم اور بے گناہ ہے۔ مرد و خواتین ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں۔ دونوں میں ایک ہی روح ہے۔ دونوں میں اس بات کی مساوی اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ ذہنی، روحانی اور اخلاقی طور پر ترقی کر سکیں۔ دونوں کو مساوی حقوق ملنے چاہئیں۔ ان کا احترام ہونا چاہئے۔

دور جاہلیت میں بچیوں کے قتل کا عام رواج تھا۔ انہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد اس انتہائی گھناؤنے اور قبیح عمل پر سختی سے پابندی عائد کی گئی اور اس کو ناقابل تلافی جرم قرار دیا گیا۔ بیٹیوں کو خدا کی رحمت قرار دیا گیا۔ اس کے بعد حالت میں مثبت تبدیلی آئی۔

واضح رہے کہ ملک میں رحم مادر میں بچیوں کے قتل کو روکنے کے لئے تعزیرات ہند کی دفعہ 315 اور 316 موجود ہے۔ کچھ خاص حالت میں مثال کے طور پر جب ماں کی زندگی خطرے میں ہو تو ایسی صورت میں اسقاط حمل یا دوسری طبی کی سہولت کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بعد میں ایکٹ 1994، 1996 کے ذریعہ اسے مزید موثر بنایا گیا جس میں جنسی شناخت کو جرم کے دائرہ میں رکھتے ہوئے سزا بھی تجویز کی گئی ہے۔ اس طرح یہ قانون دوران حمل جنس کی شناخت پر پابندی لگا کر رحم مادر میں بچیوں کے قتل کو روکتا ہے۔ تمام کلینک، اسپتالوں میں پیدائش سے قبل جنسی شناخت کو قانونی جرم بتا کر اس پر پابندی عائد کی گئی ہے اور اس سلسلے کا نوٹس بورڈ پر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود چوری چھپے بچیوں کے رحم مادر میں قتل کے واقعات دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ قانون میں سختی کے ساتھ ہی روز بروز اعلیٰ تکنیک بھی فروغ پا رہی ہے۔ الٹرا ساؤنڈ مشین کی جگہ اب جینی سیلکٹ کٹ کیمرہ، ایم آر آئی اور موبائل فون کی شکل کے الٹرا ساؤنڈ سسٹم بازار میں آ گئے ہیں۔ ان آلات سے جنس کی شناخت میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔ گاؤں میں موبائل سونوگرامی دستیاب ہے، جو بچوں کے قتل سے حمل میں قتل کی طرف جا رہی ہے۔ اس لئے پی سی پی این ڈی ٹی ایکٹ میں نئے سرے سے ترمیم کر کے اس میں مزید سخت سزا کی تجویز انتہائی ضروری ہے۔

اب سوال یہ کہ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ مہم کا تو آغاز کر دیا گیا۔ یہ احسن قدم ہے۔ لیکن اس مہم کو عملی جامہ کیسے پہنایا جائے گا۔ اس سے قبل بھی سرکاریں اس طرح کے اقدامات کرتی رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اسکیم 'بیٹا بیٹی ایک سمان' ہے۔ ایک طرف ہمالیہ میں 'بیٹی ہے انمول' جیسی یوجنا، مدھیہ پردیش کی لکشمی لاڈلی اور کنیادان یوجنا اور ہریانہ کی بالیکا سرکشا یوجنا جیسی کئی اسکیمیں ماضی میں زیر عمل لائی جاتی رہی ہیں لیکن ان سب کے باوجود رحم مادر میں قتل کے واقعات میں توقع کے مطابق کمی نہیں دکھائی دی اور مختلف کے متعدد علاقوں میں صنفی تناسب میں تو سدھار ہوا نہ ملک میں بیٹیوں کی حالت اچھی ہوئی۔ اس لئے جنین کے قتل کے اس مسئلہ سے نجات پانے کے لئے موجودہ قانونی تجاویز میں بدلتے ہوئے پس منظر میں ترمیم کر کے ان پر سختی سے عمل کرنے کے ساتھ لوگوں میں سماجی بیداری پیدا کرنی ضروری ہے۔ گاؤں میں پنچایتی راج اداروں کی بھی اس میں مدد لینی چاہئے۔ ان کا رول بہت اہم ہے۔ وہ اگر اس سلسلے میں سنجیدگی سے کوشش کرے تو بہت حد تک اس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ ابھیان کے تحت سوکنیا سمردھی یوجنا کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ یہ بچیوں کے لئے چھوٹی بچت اسکیم ہے جس میں 9.1 فی صد شرح سے سود کے نظم کے ساتھ یہ یوجنا ٹیکس سے مبرا ہے۔ 2015-16 کے لئے 9.2 فی صد کی پرکشش شرح سود کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس یوجنا کا مقصد خاص طور سے کنبہ کے وسائل اور بچتوں میں بچوں کی طرح بچیوں کی حصہ داری کو بھی یقینی بنانا ہے تاکہ بچے اور بچیوں کے مابین صنفی تناسب میں توازن پیدا ہو سکے۔ موجودہ سرکار کی یہ اہم سوکنیا سمردھی یوجنا کافی جامع ہے اور اس کی خوب پذیرائی ہو رہی ہے۔ اس یوجنا کے تحت لڑکی کی پیدائش سے لے کر دس برس کے اندر بینکوں اور ڈاک گھروں میں سوکنیا سمردھی کھاتہ کھولنا ہوتا ہے۔ ابتدا میں پانچ سال تک حکومت ہر سال 1000 روپے ڈالے گی۔ لڑکی کے والدین کو اس میں سال میں کم از کم 1000 روپے جمع کرنے ہوتے ہیں۔ اس کی زیادہ سے حد 1.50 لاکھ روپے سالانہ ہے۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حکومت نے گزشتہ سال اس پر 9.1 فی صد سود دینے کا اعلان کیا تھا لیکن اب اسے بڑھا کر 9.2 فی صد کر دیا ہے۔ اس یوجنا کے تحت 14 سال تک مسلسل رقم جمع کی جائے گی۔ اس کے بعد سات سال تک رقم نہیں جمع کرنی ہے لیکن اس میں سود جڑتا رہے گا۔ 21 سال مکمل ہونے یا شادی ہونے پر رقم لڑکی یا اس کے والدین کے سپرد کر دی جائے گی۔ لوگوں کو اس یوجنا کی طرف راغب کرنے کے لئے اسے ٹیکس سے بالکل مبری رکھا گیا ہے اور انکم ٹیکس کی دفعہ 80 سی کے تحت سالانہ سرمایہ کاری پر ٹیکس میں رعایت بھی ملتی ہے۔ یہ اسکیم حقیقت میں بہت فائدہ مند ہے اور لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم اور خود روزگار کے لئے یہ رقم بہت کام آ سکتی ہے۔ اس یوجنا کے فائدوں کا ہی کمال تھا کہ ابتدائی دو مہینوں میں ہی اس میں تقریباً 15 لاکھ اکاؤنٹ کھل گئے تھے۔ یہ یوجنا بھی لڑکیوں کی فلاح و بہبود اور سماج میں ان کے وقار میں اضافہ کرنے کی سمت میں بہت بڑا قدم ہے۔ اس طرح بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ ابھیان کا مقصد ایک طرف رحم مادر میں ان کے قتل کو روکنا ہے تو دوسری طرف سوکنیا سمردھی کھاتہ یوجنا کے تحت بیٹیوں کو سماجی تحفظ فراہم کرنے کا ہدف مقرر ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ یوجنا میں لڑکیوں کی سماجی اور تعلیمی ترقی پنہاں ہے۔ اس یوجنا کے لئے ابتدا میں 100 کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ ابھی یہ اسکیم ابتدائی مرحلہ میں ہے۔ اس پر موثر عمل درآمد میں کچھ وقت درکار ہے لیکن اس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سے صنفی تناسب کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

☆☆☆

کیا آپ جانتے ہیں؟

ارونا آصف علی

ارونا آصف علی کی پیدائش ایک بنگالی خاندان میں 1909 میں ہوئی۔ انھوں نے 1930 میں پہلی بار

تحریک آزادی میں ستیہ گرہ کے ذریعے قدم رکھا۔ انھیں گاندھی - اروِن سمجھوتے کے کچھ ماہ بعد چیف کمشنر کے ذریعے گرفتار کیا گیا تھا۔ پھر 1941 میں، انھیں انفرادی ستیہ گرہ کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ 8 اگست کو تمام بڑے لیڈروں کی گرفتاری کے بعد، وہ پہلی شخص ہیں جنھوں نے 9 اگست 1942 کو گوالیا ٹینک میدان میں ترنگا لہرایا تھا۔ 26 ستمبر، 1942، کو ان کی تمام جائیداد اور سامان ضبط کر لیے گئے اور اسے واپس حاصل کرنے کے لئے انھیں ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا گیا تھا۔ انھوں نے انکار کر دیا تو ان کے تمام سامان فروخت کر دیے گئے۔ انھوں نے ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے ساتھ 'انقلاب پاتر' نکالا جس نے عوام میں بیداری پیدا کی۔ جس کے بعد بہت سے سرکاری ملازمین اور ہزاروں طلبا نے اپنے کالجوں کو تحریک آزادی میں شامل ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ انھیں '1942 کی رانی جھانسی' کہا جاتا تھا۔ وہ دہلی میونسپل کارپوریشن کی پہلی خاتون میئر بھی بنیں۔ انھوں نے لنک اور پیریوٹ (محبّ وطن) کہے جانے والے رسالے بھی نکالے۔ ان کے ذریعے ان کے کام کو قبولیت بھی ملی۔ انھیں کئی قومی اور بین الاقوامی ایوارڈز سے بھی نوازا گیا ہے۔

سچیتا کرپلانی

سچیتا کرپلانی امبالا میں 1908 میں پیدا ہوئی۔ لاہور میں اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد انھوں نے دہلی یونیورسٹی سے اپنی ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ بچپن سے، انھوں نے ایک آزاد بھارت میں رہنے کا خواب دیکھا تھا۔ 1932 میں، وہ عوامی خدمات کے شعبے میں داخل ہوئیں اور 1939 میں انھوں نے سیاست میں قدم رکھا۔ عوام اور اپنی قوم کی خدمت کے لیے ان کے کام سے متاثر ہو کر گاندھی جی نے 1940 میں انھیں انفرادی ستیہ گرہ کے لیے منتخب کیا، جس کے لیے انھیں گرفتار بھی کیا گیا۔ 1942-43 میں انڈر گراؤنڈ (چھپ) ہو گئیں اور اپنے کام کو جاری رکھا اور کل ہند مہیلا کانگریس کی بانی بنیں جس نے اپنے ملک کے لئے لڑنے کے لئے خواتین میں متاثر کن پیغامات کو پھیلانے کے ایک پلیٹ فارم کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اس اہم کام کے لئے، انھوں

نے 1942 میں ایک 'پس پردہ رضا کار فورس' جس نے خواتین کو فوجی مشقیں، ہتھیار چلانے کی مشق اور ابتدائی طبی امداد اور دفاع سے متعلق ٹریننگ دی۔ دو سال بعد انھیں 1944 میں گرفتار کر لیا گیا۔ 1945 میں جیل سے باہر آنے کے بعد انھوں نے اپنا زیادہ تر وقت سماجی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔ انھوں نے 1946 میں مشرقی بنگال میں اور 1947 میں پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کے وقت اغوا کی گئی عورتوں کو پناہ بھی فراہم کی۔ وہ مارچ 1963 سے مارچ 1967 تک اتر پردیش کی وزیر اعلیٰ تھیں۔ وہ آزاد بھارت کی پہلی خاتون وزیر اعلیٰ تھیں۔

کلپنا دتہ

کلپنا دتہ بنگال میں اعلیٰ تعلیم کی طالبہ تھیں، جو انگریز حکمرانی اور ان کی زبان سے نفرت کرتی تھی۔ یہاں تک

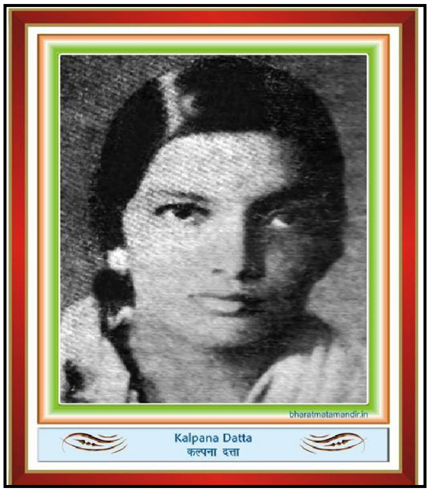

کہ وہ اسکول کے عہد نامے 'خدا اور بادشاہ کے وفادار' سے بدل کر 'خدا اور ملک سے وفادار' کر دینا چاہتی تھیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، جہاں انھوں نے لاٹھی اور تلوار وغیرہ چلانے کی تربیت حاصل کی۔ 1929 میں وہ انقلابیوں کے رابطے میں آئیں، لیکن انھوں نے 1932 ان کی ٹیم کا حصہ بننے اور تحریک آزادی میں پوری فعال شراکت نبھانے کا فیصلہ کیا۔ وہ عام طور پر مردوں کے لباس زیب تن کرتی تھیں؛ وہ خفیہ طریقے سے سرکاری عمارتوں پر چھاپے مارتی تھیں۔ اس شک میں کہ وہ ان کے گروپ کی ایک رکن تھیں، پولیس نے ان پر نظر رکھنا شروع کر دیا، لیکن ان کے خلاف کوئی ثبوت جمع کرنے میں ناکام رہی۔ جب

Pahartali کلب پر چھاپہ مارا گیا تو پولیس کو اس بات پر یقین ہو گیا کہ وہ انقلابی ٹیم کا ایک حصہ تھیں۔ انھیں دفعہ 109 کے تحت گرفتار کیا گیا، لیکن عدم ثبوت کی بنا پر، انھیں ضمانت مل گئی جس کے بعد وہ فرار ہو گئیں۔ لیکن انھیں وہ تین ماہ کے بعد پکڑ لیا گیا اور چٹاگانگ ہتھیار گھر پر چھاپے کے کیس کے تحت مقدمہ درج کیا گیا اور انھیں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ اس کے بعد انھیں 1942 میں جیل سے رہا کر دیا گیا تھا۔ پھر انھوں نے کمیونسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور 1943 میں کمیونسٹ رہنما پی سی جوشی سے شادی کر لی۔

رانی گائڈنلیو

رانی گائڈنلیو کو 'ناگالینڈ کی لکشمی بائی' کے طور پر جانا جاتا ہے۔ 13 سال کی عمر میں، انھوں نے برطانوی

حکومت کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ چچیرے بھائی کو برطانوی حکومت کی طرف سے پھانسی دیے جانے کے بعد انھوں نے تحریک آزادی میں شمولیت اختیار کی۔ اس وقت وہ صرف 16 سال کی تھی اور انگریزوں کے خلاف صرف چار مسلح ناگا فوجیوں کی مدد سے لڑیں۔ انھیں گوریلا جنگ اور ہتھیاروں کے چلانے کی حکمت عملیوں میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ وہ انگریزوں کے خلاف ایک بہت ہی جارح ناگا رہنما تھیں۔ انھیں 1932 میں گرفتار کیا گیا، جس کے بعد انھیں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ وہ بھارت کی آزادی کے بعد جب جیل سے رہا ہوئیں تو 30 سال کی تھیں۔ ان کی بہادری کے لئے پنڈت نہرو نے انھیں 'رانی' کا خطاب دیا تھا۔ جدوجہد آزادی میں ان کے کردار کے لئے انھیں پدم بھوشن سے نوازا گیا۔

پریتی لتا واڈیڈر

پریتی لتا واڈیڈر مئی 1911 میں چٹاگانگ میں پیدا ہوئیں۔ وہ ایک اچھی طالبہ تھیں۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے امتیازی نمبروں کے ساتھ بی۔اے کیا۔ اس کے بعد انھوں نے لیلا ناگ کی دیپالی سنگھ اور کلیان داس کے اسٹوڈنٹ یونین کے تحت تربیت حاصل کی جس کے بعد انھوں نے سوریہ سین کی انقلابی پارٹی میں شمولیت اختیار کیا۔ وہ چٹاگانگ ہتیار گھر پر چھاپہ مارنے والے گروپ کی ایک رکن تھیں۔ پولیس کے ساتھ تصادم کے بعد، وہ اپنے ساتھی ارکان کے ساتھ فرار ہو گئی تھیں۔ اپنے ساتھی ارکان کی موت کا بدلہ لینے کے لئے، انھوں نے سوریہ سین کے ساتھ مل کر انگریزوں اور یوروپی افراد کے ایک نائٹ کلب پر حملہ کرنے کی سازش رچی۔ 24، ستمبر 1932 کو پریتی لتا واڈیڈر نے دیگر ارکان کے ساتھ مل کر کلب پر حملہ کیا اور بلا امتیاز پستول اور بموں سے اندھا دھند فائرنگ کی۔ جب انگریزوں نے حملے کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو ایک بندوق گولی انھیں بھی لگ گئی اور وہ زخمی ہو گئیں۔ انھیں معلوم تھا کہ وہ اپنے زخم کے سبب دم

توڑ دیں گی تو انھوں نے انگریزوں کی گولی سے مرنے کی بجائے اپنے پلان کے مطابق پوٹاشیم سائینائیڈ کی ایک پیکیٹ کھا کر مرنے کو ترجیح دی جو ان کی جیب میں تھا۔

مرتب: واٹیکا چندرا، سب ایڈیٹر یوجنا انگریزی

☆☆☆

ریلوے اسٹیشنوں پر ایگزیکٹو لاؤنج

☆ بھارتی ریلوے کی کیٹرنگ اور ٹورزم کارپوریشن (آئی آر سی ٹی سی) کو 49 اسٹیشنوں پر ایگزیکٹو لاؤنج بنانے کا کام سونپا گیا ہے۔ نئی دہلی، آگرہ کینٹ اور جے پور کے اسٹیشنوں پر ایگزیکٹو لاؤنج کام کرنے لگے ہیں۔ دہلی ریلوے اسٹیشن پر ایگزیکٹو لاؤنج دسمبر 2016 تک مکمل ہو جائے گا جبکہ نظام الدین ریلوے اسٹیشن پر ایگزیکیٹو لاؤنج کیلئے ابھی جگہ طے کی جانی ہے۔ البتہ مہاراشٹر کے سیواگرام اور وردھا ریلوے اسٹیشنوں پر ایگزیکیٹو لاؤنج کا منصوبہ نہیں ہے۔ یہ معلومات مواصلات کی وزارت کے وزیر مملکت (آزادانہ چارج) اور ریلوے کے وزیر مملکت نے لوک سبھا میں ایک سوال کا تحریری جواب دیتے ہوئے فراہم کی۔

☆☆☆

تائبہ تسکین

قابل تجدید توانائی:

ہمارے لئے قدرت کا عظیم عطیہ

گزشتہ دو برسوں کے دوران متعدد ریکارڈ ٹوٹے ہیں اور بہت سی پہل قدمیاں کی گئی ہیں اب اجول بھارت کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے ایک واضح لائحہ عمل ہمارے سامنے ہے جس کے تحت ہر گھر کو چوبیس گھنٹے واجبی قیمت والی بجلی اور کاشتکاروں کو ماحول دوست طریقے سے وافر بجلی فراہم کی جاسکے گی۔

ایف181، سیکنڈ فلور، شاھین باغ، جامعہ نگر، نئی دھلی۔110025

قابل تجدید توانائی سے مراد ایسی توانائی ہے جو مختلف قدرتی ذرائع مثلاً سورج کی روشنی، ہوا، بارش اور لہروں وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے۔

توانائی کے قابل تجدید ذرائع جن سے اس وقت دنیا بھر میں 9.4 ملین افراد کا روزگار وابستہ ہے، عالمی افرادی قوت کے لیے روزگار کی مشین ثابت ہو رہے ہیں۔ اس شعبے میں روزگار کے نئے مواقع میں چین، برازیل اور امریکا بہت آگے ہیں۔ شمسی توانائی کے شعبے میں روزگار کے حوالے سے چین دنیا بھر میں سب سے آگے ہے۔

قابل تجدید توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی IRENA کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق عالمی سطح پر ماحول دوست توانائی کے ذرائع کو دی جانے والی ترجیح کا ایک واضح نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں 9.4 ملین انسانوں کا روزگار انہی ذرائع سے جڑا ہوا ہے۔

ان میں سے بھی 8.1 ملین سے زائد کارکن شمسی توانائی، ہوا سے بجلی پیدا کرنے، بائیو انرجی اور 'جیو تھرمی' جیسے ذرائع سے بجلی پیدا کرنے کے شعبے میں کام کرتے ہیں۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس شعبے میں روزگار کے مواقع میں 2014 اور 2015 کے درمیان عالمی سطح پر پانچ فیصد سے زائد کا اضافہ ہوا۔

اس کے علاوہ مزید قریب 1.3 ملین انسان مختلف ملکوں میں ہائیڈل پاور ورکس یا پانی سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں پر کام کرتے ہیں، جن میں ڈیموں کی تعمیر، انہیں فعال رکھنا اور بجلی کی پیداوار کے لیے پانی کے وسیع ذخائر کی دیکھ بھال کے شعبے شامل ہیں۔

قابل تجدید توانائی کی عالمی تنظیم 'اِرینا' کے ڈائریکٹر جنرل عدنان امین نے دبئی میں اپنے ادارے کی تازہ ترین رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا کہ قابل تجدید اور ماحول دوست توانائی کے ذرائع ایک ایسا شعبہ ہیں، جس میں روزگار کے مسلسل نئے مواقع نے اسے عالمی افرادی قوت کے لیے 'روزگار کی مشین' بنا دیا ہے۔

اسی طرح دنیا کے جن تین ملکوں میں گزشتہ برس ماحول دوست توانائی کے شعبے میں روزگار کے سب سے زیادہ نئے مواقع پیدا ہوئے، وہ ملک چین، ہندوستان اور برازیل تھے۔

رپورٹ کے مطابق ماہرین کو توقع ہے کہ عالمی سطح پر قابل تجدید توانائی کے شعبے میں روزگار کے مواقع آئندہ برسوں میں مزید بڑھیں گے اور 2030 تک اس اقتصادی شعبے کے کارکنوں کی مجموعی تعداد 24 ملین سے تجاوز کر جائے گی۔

برقی توانائی کی قلت دور کرنے کے لئے وزیراعظم نریندر مودی نے نئے قابل تجدید توانائی کے وسائل جیسے شمسی توانائی اور ہوائی توانائی سستے داموں تیار کرنے کے لئے نئی ایجاد پر زور دیا اور کہا کہ صاف ستھری برقی توانائی کے لئے ہماری ایجاد پر پوری دنیا متاثر ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان 50 ممالک کا ایک کنسورشیم قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ شمسی

توانائی پیدا کی جاسکے۔ اس کے لئے تمام ممالک اپنی تحقیقات اور ٹکنالوجی کی ترقی کو باہمی اشتراک وتعاون سے بہتر بناسکیں گے اور برقی توانائی تک دور افتادہ دیہاتوں میں رہنے والے غریب عوام کی بھی رسائی ممکن ہوجائے گی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ہندوستان قابل تجدید توانائی پر دنیا کو متاثر کرنے کے لئے زور نہیں ڈال رہا ہے بلکہ ہمارا مقصد خود ہمارے اپنے عوام کی برقی توانائی کی ضروریات کی تکمیل ہے۔

عالمی بینک کی سروے رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ایک ارب سے زائد افراد بجلی سے محروم ہیں حتی کہ گزشتہ بیس برسوں میں توانائی میں ترقی ہوئی تاہم اسی مدت میں دنیا کی آبادی میں ایک ارب سے زائد اضافہ بھی ہوا ہے، عالمی توانائی ایجنسی کا کہنا ہے قابل تجدید توانائی کی پیش رفت سے آنے والے برسوں میں بجلی کی کمی کو پورا کیا جاسکتا ہے، انیس سونوے میں سولہ فیصد سے زائد اور دو ہزار دس کے بعد اٹھارہ فیصد پانی، ہوا اور شمسی توانائی میں ترقی کے باعث توانائی میں کئی گنا اضافہ ہوا لیکن عالمی سطح پر کمی پوری نہ ہوسکی، عالمی توانائی ایجنسی کے ترجمان کا کہنا ہے 2050 تک قابل تجدید توانائی میں اضافہ کیا جائے گا جس سے عالمی سطح پر دنیا کا کوئی خطہ توانائی سے محروم نہیں رہے گا۔

دوسری طرف گرین پیس نے پیشن گوئی کی ہے 2050 تک زمین ہمیں قابل تجدید توانائی فراہم کرسکتی ہے اور ممکن ہے کہ ہم مکمل طور پر آنے والے پینتیس سالوں میں توانائی کے بحران پر قابو پالیں گے، ادارے کے مطابق کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیلی اور کمی ہونے کے سبب مزید اخراج کم کیا جائے گا جو اقتصادی طور پر بھی مفید ہوگا اندازے کے مطابق 2050 تک اس پروجیکٹ پر سالانہ اوسطاً ایک ارب ڈالر سے زائد لاگت آئے گی اور ایک ہی وقت میں ایک ارب ڈالر سے زائد ایندھن کے اخراجات میں بھی بچت کی جائے گی۔

اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کیلئے عالمی مارکیٹ کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا تا کہ آنے والے سالوں میں چوگنی توانائی کی بچت ہو، گرین پیس کے مطابق 2050 تک مکمل طور پر نہ صرف تیکنیکی طور پر بلکہ مالی لحاظ سے بھی کئی تبدیلیاں رونما ہونگی اس توانائی انقلاب کو گرین پیس کے علاوہ جرمن نظام تجزیہ اور ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ ایرو سپیس کے توسط سے مکمل کیا جائے گا۔ گرین پیس اور جرمن انسٹی ٹیوٹ ڈی ایل آر کے سائنسدانوں نے تمام منظرنامے اور توانائی رپورٹ کی صورت حال واضح کردی ہے اور اس انقلابی پروجیکٹ میں دنیا بھر کے چند ممالک مثلاً شمالی امریکا، ہندوستان، کینیڈا، چین، افریقہ، لاطینی امریکا اور یورپ شمولیت اختیار کریں گے۔

سائنسدان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قابل تجدید توانائی کی تبدیلی اور ترقی نہ صرف ممکن ہوگی بلکہ معاشی طور پر دنیا بھر کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی اور اس تبدیلی کے سبب دنیا بھر میں بیس ملین سے زائد نئے روزگار کے مواقع پیدا ہونگے، قابل تجدید توانائی کے انقلابی پروجیکٹ کی تکمیل کیلئے مزید کارکنوں کی ضرورت ہے جو کول پاور پلانٹس سے منسلک ہوں اور تیکنیکی تجربہ رکھتے ہوں، نئی ٹیکنالوجی مہنگی اس لئے نہیں ہوگی کیونکہ ایک ہی وقت میں دیگر مقامات پر ایندھن کو کم سے کم استعمال کیا جائے گا جس سے توانائی میں خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔ گرین پیس کے نمائندے کا کہنا ہے آج ہم جو سرمایہ ایندھن پر خرچ کررہے ہیں آنے والے برسوں میں دیگر ٹیکنالوجی پر استعمال کریں گے۔

جس سے انسانوں کو فائدہ ہوگا۔ گرین پیس کا کہنا ہے چین کی ونڈ انرجی میں سرمایہ کاری ایک مثبت قدم ہے اور اگر قابل تجدید توانائی حالیہ برسوں کی رفتار سے توسیع جاری رہی تو یہ ٹیکنالوجی اگلے بیس اور پچیس برسوں میں مکمل طور پر پانی اور حرارتی نقل وحمل میں مثبت کردار ادا کرے گی کیونکہ ونڈ انرجی وقت کی اہم ضرورت ہے اور زیادہ سے زیادہ توانائی فراہم کرتی ہے، چین نے گزشتہ پانچ برسوں میں بہت زیادہ تعداد میں ونڈ ٹربائین تعمیر کئے ہیں اور توانائی کی ترقی میں اہم اقدامات وسرمایہ کاری کی بدولت جرمنی کے اشتراک وپارٹنرشپ سے فلاح وبہبود میں مثبت کردار ادا کیا ہے جو قابل تعریف ہے۔ حالیہ چند برسوں کے دوران چین کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی اقتصادی ترقی کی شرح ہوش ربا رفتار سے بڑھی ہے تاہم اب خاص طور پر توانائی کی فراہمی میں مشکلات کی وجہ سے یہ رفتار مدھم پڑتی جارہی ہے۔

عالمی بینک کے اندازوں کے مطابق ہندوستانی معیشت کا بڑا مسئلہ بدعنوانی ہے لیکن ملک کی توانائی کی ضروریات بھی بڑھتی جارہی ہیں، جنھیں پورا کرنے کے لیے اب بتدریج متبادل ذرائع سے استفادے کا رجحان نظر آرہا ہے۔

گزشتہ دو برسوں کے دوران وزیر اعظم نریندر مودی کے اس تناظر کے سلسلے میں زبردست پیش رفت حاصل ہوئی ہے جو انہوں نے 2022 تک 24x7 واجبی ماحولیات سے ہم آہنگ ''سبھی کے لئے بجلی'' فراہم کرانے کے لئے دیکھا تھا۔ ہم اس مشن کو 2019 تک پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مصروف عمل ہیں۔

ایک اہم تبدیلی کے تحت ہندوستان روایتی طور پر بجلی کی قلت کے دور سے نکل کر اضافی بجلی کی صلاحیت کے حامل ملک کا درجہ حاصل کرچکا ہے۔ بجلی کی صلاحیت میں گزشتہ دو برسوں کے دوران 1/5 صلاحیت بڑھی ہے اور شمسی بجلی کی صلاحیت میں 157 فیصد کا اضافہ ہوا ہے، جس کے نتیجے میں بجلی کی پیداوار کو زبردست تقویت حاصل ہوئی ہے۔ ترسیلی لائنوں اور سب اسٹیشنوں میں ہوئے اب تک کے سب سے زیادہ اضافے نے ترسیلی منظرنامہ یکسر بدل کر رکھ دیا ہے اور 2015 اور 2016 کے دوران توانائی کا سب سے کم خسارہ دیکھا گیا ہے۔

آج ایک بھی بجلی پلانٹ ایسا نہیں ہے جہاں کوئلے کی قلت ہو جبکہ 2014 میں دو تہائی بجلی پلانٹوں کو کوئلے کی قلت کے بحران کا سامنا تھا اور ان پلانٹوں میں کوئلے کا بحرانی اسٹاک سات دن سے بھی کم کا رہ گیا تھا۔ جنگی پیمانے پر کام کرتے ہوئے این ڈی اے حکومت نے ملک میں کوئلے کی قلت کا یکسر خاتمہ کردیا۔ کوئلے کی پیداوار کو 2020 تک دوگنا کرکے سو کروڑ ٹنوں تک لے جانے کے نشانے کے تحت کام کرتے ہوئے گزشتہ دو برسوں کے دوران کوئلے کی پیداوار میں اب تک کا سب سے زیادہ یعنی 7.4 کروڑ ٹنوں کا اضافہ حاصل ہوچکا ہے۔

وزیر اعظم مسٹر نریندر مودی نے 2015 کے یوم

آزادی کے موقع پر وعدہ کیا تھا کہ 18452 بجلی سے محروم گاؤوں کو ایک ہزار دنوں کے اندر بجلی سپلائی کر دی جائے گی۔ یہ کام اپنے مقررہ نشانے سے کافی آگے چل رہا ہے اور چالیس فیصد سے زائد (7779 دور دراز کے گاؤوں میں) پہلے ہی بجلی پہنچائی جا چکی ہے۔ ہندوستان نے اجالا (سب کے لئے ایل ای ڈی بلب واجبی قیمت پر فراہم کرانے کی اسکیم کے تحت انّت جیوتی) کے توسط سے عالمی ایل ای ڈی منڈی میں سر فہرست مقام حاصل کرنے کے لئے قدم بڑھا دیا ہے اور 2019 تک 77 کروڑ بلبوں کو توانائی کم صرف کرنے والے ایل ای ڈی بلبوں سے بدل دیا جائے گا۔ 2015 اور 2016 کے دوران 9 کروڑ سے زائد ایل ای ڈی بلب تقسیم کئے گئے تھے جو 14-2013 کی چھ لاکھ بلبوں کی تعداد کے مقابلے میں 150 گنا زائد ہے۔

ہندوستان میں اس وقت دنیا کا سب سے بڑا قابل تجدید توانائی توسیعی پروگرام چلا رہا ہے اور 2014 میں حاصل ہونے والی 32 ہزار میگاواٹ کی صلاحیت کو بڑھا کر 2022 تک مجموعی طور پر ایک لاکھ 75 ہزار میگاواٹ قابل تجدید توانائی صلاحیت سازی میں بدلنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ این ڈی اے حکومت سب کا ساتھ سب کا وکاس کے اپنے عہد پر قائم ہے۔ شہری علاقوں کو مربوط بجلی ترقیاتی اسکیم (آئی پی ڈی ایس) کے توسط سے جدید ترین بنیادی ڈھاچہ فراہم کرایا جا رہا ہے جبکہ دیہی بنیادی ڈھانچہ گرام اودے سے بھارت اودے کے لئے دین دیال اپادھیائے گرام جیوتی یوجنا (ڈی ڈی یو جی جے وائی) کے توسط سے بہتر بنایا جا رہا ہے۔ کاشتکاروں کو 16-2015 کے دوران اب تک کی مدت میں سب سے زیادہ تعداد میں شمسی پمپوں کی تقسیم کر کے اضافی فائدہ پہنچایا گیا ہے۔ یہ تعداد 1991 میں اس اسکیم کے آغاز کے وقت لگائے گئے مجموعی شمسی پمپوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ نسبتاً کم ترقی یافتہ مشرقی ریاستوں کو کوئلے کی نیلامی کے توسط سے مالیہ حاصل ہوگا۔ جنوبی ہند کی وہ ریاستیں جو بجلی کی قلت کا شکار ہیں انہیں 71 فیصد ترسیلی صلاحیت اضافے کے ذریعہ راحت بہم پہنچائی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ گیس پلانٹوں کا احیا بھی کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں بجلی کی دستیابی میں اضافہ ہوا ہے اور بجلی کی حصولیابی کی قیمتوں میں 50 فیصد سے زائد کی تخفیف ہوئی ہے۔ پن بجلی پروجیکٹوں کے مسائل حل کرنے کے نتیجے میں حکومت شمال مشرق کو صاف ستھری بجلی فراہم کرنے کے کام کو یقینی بنا سکی ہے۔

گزشتہ دو برسوں کے دوران متعدد ریکارڈ ٹوٹے ہیں اور بہت سی پہل قدمیاں کی گئی ہیں اب اجول بھارت کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے ایک واضح لائحۂ عمل ہمارے سامنے ہے جس کے تحت ہر گھر کو چوبیس گھنٹے واجبی قیمت والی بجلی اور کاشتکاروں کو ماحول دوست طریقے سے وافر بجلی فراہم کی جا سکے گی۔

☆☆☆

غالب پر ہماری اہم مطبوعات

خزینۂ غالب	مرتب: ڈاکٹر ابرار رحمانی	130/=
سفینۂ غالب	ادارہ	95/=
آئینۂ غالب (طبع دوم)	ادارہ	75/=
گنجینۂ غالب (طبع دوم)	ادارہ	60/=
غالب بہ صد انداز	تشکیل: برجندر سیال	1000/=

غالب بصد انداز میں غالب کے منتخب اشعار کا ہندی اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ غالب کے اشعار کو پتھروں کے مرقعوں میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ اپنے آپ میں ایک انوکھی پیشکش ہے جسے باذوق حضرات اپنی لائبریری اور اپنے ڈرائنگ روم میں رکھنا پسند کریں گے۔

نوٹ: کتابیں منگوانے کے لئے رقم بشکل ڈرافٹ بنام ڈی جی پبلی کیشنز ڈویژن پیشگی ارسال کریں۔
کتابیں کسی بھی صورت میں وی پی سے نہیں بھیجی جائیں گی۔

ملنے کا پتہ: بزنس منیجر، پبلی کیشنز ڈویژن، سوچنا بھون، سی جی او کمپلیکس، نئی دہلی۔ 3

بڑھتے قدم

لوک سبھا میں جی ایس ٹی بل پر وزیر اعظم کی تقریر کا متن

☆وزیراعظم مسٹر نریندر مودی نے لوک سبھا میں جی ایس ٹی بل پر جو تقریر کی تھی اس کا متن حسب ذیل ہے:

اگست انقلاب کا بگل 8 اگست کو بجا تھا۔مہاتما گاندھی نے ''بھارت چھوڑو'' کے نعرے کے ساتھ پورے ملک میں تحریک آزادی کی شدید لہر پیدا کردی تھی۔9 اگست کو آزادی کے دیوانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے تھے۔آج 75 سال بعد آزادی کے دیوانوں کو یاد کرتے ہوئے ٹیکس ٹیرارزم سے نجات کی سمت میں ہماری پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبران مل کر ایک بہت بڑا قدم اٹھانے جارہے ہیں۔شاید کچھ ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ ہمارے ملک میں ٹیکسوں کی صورتحال کیا رہی ہے۔سپریم کورٹ میں ٹیکس سے متعلق ایک معاملہ پیش کیا گیا تھا جس میں پوچھا گیا تھا کہ ناریل کو پھل مانا جائے یا کہ سبزی ناریل پر پھل کے حساب سے ٹیکس عائد کیا جائے یا سبزی کی حیثیت سے اسے ٹیکس سے مستثنیٰ مانا جائے۔اب جب یہ معاملہ سپریم کورٹ تک پہنچ گیا تو یہ اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے ٹیکسوں کی جو پرانی روایت رہی ہے اس میں کیسے کیسے نشیب وفراز آئے ہوں گے۔میں اس وقت سبھی سیاسی پارٹیوں اور ریاستوں میں برسراقتدار سیاسی پارٹیوں کی سرکاروں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ہم ایک ایسا فیصلہ کررہے ہیں جس میں راجیہ سبھا اور لوک سبھا کے ساتھ ساتھ ملک کی 29 ریاستوں کے نمائندے جیت کر آئے ہیں۔ایسی 90 سیاسی پارٹیوں نے انتہائی غوروخوض کے بعد آج ہمیں یہاں اس مقام تک پہنچایا،جس پر فیصلے کی تصدیق بعد میں ہو پائے گی۔اس لئے یہ بات سچ ہی مانی جاتی ہے کہ پیدا کوئی کرے اور پرورش کوئی کرے۔کرشن کو جنم کسی نے دیا اور پرورش کسی دوسرے نے کی۔اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صحیح ہے کہ یہ کسی ایک سرکار کی فتح نہیں ہے۔یہ ہندوستانی جمہوریت کے اعلیٰ اقدار کی فتح ہے۔یہ سبھی سیاسی پارٹیوں کی فتح ہے۔سبھی سابق اور موجودہ سرکاروں کے تعاون سے یہ فتح حاصل ہوئی ہے اس لئے میرے خیال سے اس اختلاف کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس میں کون جیتا اور کون ہارا۔جی ایس ٹی کا مطلب ہے۔''گریٹ اسٹیپ بائی ٹیم انڈیا'' جی ایس ٹی کا مطلب ہے:''گریٹ اسٹیپ ٹوورس ٹرانسفارمیشن'' جی ایس ٹی کا مطلب ہے:''گریٹ اسٹیپ ٹوروس ٹرانس پیرنسی''۔اسی لئے ہم ایک نئے نظام سے گزر رہے ہیں۔ہم سب کا خواب ہے،''ایک بھارت-شریشٹھ بھارت'' جب ہم ریلوے پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں ایک بھارت کے جذبے کا احساس ہوتا ہے۔جب ہم ڈاک وتار کے انتظام پر نظر کرتے ہیں یا آل انڈیا سول سروسز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک بھارت کا جذبہ محسوس ہوتا ہے۔ایک بھارت کی خوشبو آتی ہے۔ہم آئی پی سی،سی آر پی سی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں ایک بھارت کی شناخت حاصل ہوتی ہے۔یہ سارے ادارے اس جذبے کو طاقتور بناتے ہیں۔اسی سلسلے میں آج ہم جی ایس ٹی کی شکل میں ایک نیا موتی اس مالا میں پرو رہے ہیں جو ایک بھارت کے جذبے کو توانا کرتا ہے۔یہ صرف ایک ٹیکس کا نظام نہیں ہے۔سب ریاستیں اور مرکز مل کر ایک ایسا نظام فروغ دینے جارہے ہیں جس میں چھوٹی سے چھوٹی ریاست ہو یا بڑی سے بڑی۔سب کو یہ نظام اپنا نظام محسوس ہونا چاہئے۔یہ ایک بھارت کو طاقت دینے والی بات ہے اور ان معنوں میں،میں اسے انتہائی اہم تصور کرتا ہوں۔

کبھی کبھی جی ایس ٹی کے بارے میں شبہات بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔جب میں وزیراعلیٰ تھا تو میرے دل میں بڑے شکوک پیدا ہوگئے تھے۔میں نے پرنب مکھرجی صاحب سے کئی بار اس پر تبادلہ خیال بھی کیا اور آج جی ایس ٹی کو ایک وزیراعلیٰ کی نظر سے دیکھنے کی وجہ سے وزیراعظم بننے کے بعد میرے لئے ان مسائل کا تدارک کرنا آسان رہا ہے۔وہ تجربات میرے کام آئے۔کچھ مسائل کا تدارک نہیں ہو پاتا تھا۔کچھ باتیں واضح نہیں تھیں۔یہ ساری باتیں اتنے طویل غوروخوض کی وجہ سے بہت سی کمیوں کو دور کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔یہ صرف میرا ہی کام نہیں بلکہ اس میں سبھی کا تعاون حاصل ہوا ہے۔یہ اجتماعی غوروخوض کا نتیجہ ہے۔تاہم یہ بات بھی سچ ہے کہ کوئی انسان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم پرفیکٹ بھی ہوسکتے ہیں۔کچھ کمی نہیں رہ سکتی ہے۔آگے چل کر کوئی کمی نہیں آئے گی۔اسی لئے اتنے سارے دماغوں نے دماغی کسرت کے ساتھ کوششیں کی ہیں اور ان کوششوں کا نتیجہ بھی ملے گا۔

یہ صحیح ہے کہ راجیہ سبھا میں اعداد کے حساب سے یہ بل مشکل میں پڑ سکتا تھا۔ریاستوں کو مرکز پر اعتبار بھی نہیں تھا اس لئے سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ ریاستوں اور مرکز کے درمیان اعتبار پیدا کیا جائے۔اس بات کا فیصلہ اکثریت کی بنیاد پر نہ لیا جائے۔

میں پہلے بھی اس ایوان میں کہہ چکا ہوں کہ جمہوریت صرف نمبروں کا کھیل نہیں ہے بلکہ اتفاق رائے کا معاملہ ہے۔آج ہمارے مولوی صاحب کو یہ بات بہت بری لگی کہ ہمارے ایوان کو جونیئر ہاؤس کہا جاتا ہے۔اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے والوں کوا?پ کا میسیج ضرور پہنچے گا۔میں نے محترمہ سونیا گاندھی کو لوک سبھا اور محترم منموہن سنگھ جی کو راجیہ سبھا سے جی ایس ٹی بل پر تبادلہ خیال کی دعوت دی تھی۔ہماری کوشش یہی رہی ہے کہ سبھی کے مشوروں کو منظور کیا جائے۔ایک غیر معمولی اتفاق رائے کا ماحول پیدا ہوا ہے جس سے ایک بہت بڑی طاقت پیدا ہوئی ہے۔یہ ریاست کے لئے ایک اہم ترین امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ بات ہندوستان کی جمہوریت کے روشن پہلوؤں میں سے ایک ہے۔قومی پالیسی سیاست سے بالاتر ہوتی ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ جو قرارداد آئی ہے اس سے کسی کو شکایات نہیں ہوگی۔یہاں بھی کچھ لوگ ایسے بیٹھے ہوں گے جن کے ذہن میں یہ ہوگا کہ اگر ایسا ہوتا تو اچھا ہوتا۔یہ باتیں تو جاری ہی رہیں گی۔یہی تو جمہوریت کی طاقت ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم سب نے اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔آج جی ایس ٹی کے بعد میرا اندازہ ہے کہ سات سے لے کر گیارہ تک جو الگ الگ نظام ہیں جن کا سبھی چھوٹے بڑے کاروباریوں کو سامان کرنا پڑتا ہے۔اس لئے سات سے گیارہ بارہ تیرہ تک ٹیکسوں کی سبھی رعایتیں اس بل سے ختم ہوجائیں گی جس کا فائدہ چھوٹے کاریاریوں کو بھی ہوگا اور صارفین کو بھی۔میرے خیال سے اقتصادی نظام کو حسن وخوبی اور تیز رفتاری سے چلانے کے لئے ہمیں پانچ باتوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ان میں پہلی ہے مین۔دوسری ہے مشین۔تیسری ہے میٹریل۔چوتھی ہے منی اور پانچویں ہے منٹ۔اگر ان سب کا بہترین استعمال کرنے میں ہمارے نظام آگے بڑھتے ہیں تو ہماری معیشت کو آگے بڑھنے کے لئے نئے مواقع تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔آج ملک میں جو ریاستیں سب سے پسماندہ تصور کی جاتی ہیں،اس نظام کے تحت ان کی آمدنی میں اضافے کی گارنٹی ہے۔اس لئے اگر ان ریاستوں کو تعلیم کے شعبے میں سرمایہ کاری کرنی ہے،کھیل کے شعبے میں سرمایہ لگانا ہے یا ڈھانچہ جاتی سہولیات میں پیسہ لگانہ ہے تو انہیں اس جی ایس ٹی کے نظام سے جو اضافہ شدہ آمدنی ہونے والی ہے،اسے ان شعبوں میں لگایا جاسکتا ہے۔آج ہم مغرب میں جس طرح کی ترقی دیکھ رہے ہیں،سب سے پہلے ملک کے مشرقی خطے پر نظر کرنی ہے اس کو فوری طور سے آگے لانا چاہئے ورنہ یہ غیر متبادل ترقی تیز رفتاری کے ساتھ ملک کو نئی بلندیوں تک نہیں لے جاسکے گی۔جی ایس ٹی کی وجہ سے ایسی ریاستوں کو ایک نیا موقع حاصل ہوا ہے۔میں ان ریاستوں سے گزارش کروں گا کہ جی ایس ٹی کے نفاذ کے بعد اس کا زیادہ سے زیادہ فائد حاصل کیا جائے۔عام طور پر دو سگے بھائیوں کے درمیان بھی لڑائی ہوتی ہے تو اس کا سبب جائیداد ہوسکتی ہے۔ریاستوں یا مرکز کے درمیان کشیدگی بھی زیادہ تر قدرتی وسائل یا اثاثہ جات کے سبب ہوتی ہے۔اس نظام کی وجہ سے ایک شفافیت پیدا ہوگی۔مرکز اور ریاستیں کتنا سرمایہ جمع کررہی ہیں،جس خزانے میں کتنا پیسہ جمع ہورہا ہے۔یہ بات ریاست کو بھی معلوم ہوگی اور مرکز کو بھی۔کن کن قاعدوں کے تحت ان کی تقسیم ہوگی۔اس کے لئے وفاقی ڈھانچے میں سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے باہمی اعتماد کی۔اس اعتماد کو مضبوط اور مستحکم کرنے اور آگے بڑھانے میں یہ نیا نظام انتہائی سودمند ثابت ہوگا۔اس سے ہمارا وفاقی ڈھانچہ مضبوط ہوگا اور اس سے ٹیکسوں کی جتنی وصولی ہوگی اس کا علم ریاستوں اور مرکز دونوں کو ہوگا،جس سے بہت سی سہولیات کا اضافہ ہوگا۔

بہتر ہوتا کہ ہمارے کھڈگے جی نے اس ڈیل کی کچھ باتوں کو گہرائی سے دیکھا ہوتا۔شاید اس بل کی ترتیب کے وقت موقع نہ ملا ہو لیکن کبھی موقع ملا تو بتاؤں گا۔یہ جی ایس ٹی ایک ایسا بل ہے جس میں غریبوں کے استعمال کی سبھی چیزیں ٹیکس کے دائرے سے باہر ہیں۔صارفین کے افراط زر کا تعین کرنے والے آئٹموں میں سے 55 فیصد غذا اور ضروری دوائیں جی ایس ٹی کے دائرے سے باہر ہیں۔کبھی کبھی کچھ چیزیں غیر متوقع طریقے سے فائدہ پہنچاتی ہیں۔سبھی کو معلوم ہے کہ ملک میں آمدنی یا مالیاتی خسارہ ہمیشہ ایک رہتا تھا۔فرض کرلیجئے کہ ریاست ایک بار پھر قرض میں ڈوب جائے

یہ بھی چلتا تھا۔ اسلئے سبھی مل کر ایک ایف آر بی ایم کے قانون کی طرف گئے اور مالیاتی نظم وضبط کے لئے ریاستوں نے بھی اسے منظور کیا اور مرکز نے بھی دباؤ ڈالا۔

اس طرح ہندوستان میں ایف آر بی ایم کے قانون کی وجہ سے آمدنی اور خسارے دونوں کے درمیان ایک تال میل قائم ہوگا۔ اس کے لئے ایک متبادل کوشش ہوئی ہے، جس سے ریاستوں کی معیشت اور ان کی معاشی صحت میں ایک مثبت اور تندرست تبدیلی پیدا ہوگی۔ سرکار نے قانونی اعتبار سے ایک اہم فیصلہ لیا ہے۔ جب میں قانون کی بات کر رہا ہوں تو اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ہمارے ملک میں یہ باتیں ہرطرف کی جاتی ہیں کہ ریزرو بینک کا نظریہ ایک ہوتا ہے اور سرکار کی سوچ دوسری ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ نمو اور افراط زر کی باتیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر دیکھی جاتی ہیں۔ ہمیشہ کہا جاتا ہے کہ افراط زر کی شرح یہ ہے تو شرح سود یہ رہے گی۔ سرمایہ کاری نہیں آئے گی۔ ہم نے وہ ساری متنازعہ باتیں سن لی ہیں کہ انویسٹمنٹ نہیں آئے گا وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان تمام اختلافات کے بارے میں سن چکے ہیں۔ پہلی بار اس سرکار نے ریزرو بینک کے ساتھ کہا ہے کہ اب افراط زر کی شرح چار فیصد ہنی چاہئے اور 2021 تک یہ جاری رہے گا۔ اب مالیہ سے جڑے ہوئے جتنے بھی ادارے ہیں، افراط زر کے تعلق سے ان کی ایک ذمہ داری بننے والی ہے۔ اس کا فائدہ بھی ہمارا آنے والے دنوں میں ٹیکسوں کی وصولی کے نظام کو ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ ملک کی آزادی سے اب تک ہم لوگ غریبی سے لڑ رہے ہیں اور جب کوئی کہتا ہے کہ ملک کے 65 فیصد سے زیادہ لوگ خط افلاس سے نیچے کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ لیکن کچھ اچھا ملتا ہے تو کچھ کم اچھا ملتا ہے۔ ہمیں دونوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہماری قسمت میں ملک کی غریبی آئی۔ لیکن غریبی کے خلاف لڑنے کا جذبہ ہر ایک کا ہے۔ یہاں بیٹھے ہوئے جتنے بھی اِس پار کے یا اُس پار کے لوگ ہیں سب کی یہی خواہش ہے۔ ہاں طریقے الگ الگ ہوسکتے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ غریبوں کو مالی اور تعلیمی اعتبار سے بااختیار بنایا جائے۔ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کے وسیلے سے ہم غریبوں کی ایسی فوج تیار کرسکتے ہیں جو غریبی کو ختم کرکے فتح یاب ہونے کے لئے سربلند ہوسکے۔ جی ایس ٹی اس ماحول کو بنانے میں ایک پلیٹ فارم مہیا کرا سکتا ہے، جو غریبی کے خلاف ہماری لڑائی میں بھی کام آسکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ چھوٹے کاروباری جب بینکوں سے لون لینے جاتے ہیں تو کتنی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان پرانی عادتوں میں بدلاؤ لایا جائے لیکن اتنی پرانی عادتیں ایک دم سے کیسے بدل جائیں گی۔ چھوٹے کاروباری اگر بینک سے قرض لینے جائیں تو وہاں کاغذ پر ہی سوال کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ پچاسوں طرح کے کاغذات مانگے جاتے ہیں اور ان پر سوال پیدا کرکے انہیں ریجیکٹ کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اپنے پسندیدہ لوگوں کو وہ پیسے دے دیں گے۔ جی ایس ٹی کی وجہ سے ہر شخص کے معاشی کاروبار کا خاکہ تصدیق شدہ شکل میں ہرلمحہ دستیاب ہوگا۔ جب ایسا کوئی معاملہ بینک میں جائے گا تو بینک کے پاس ڈسکری مینیشن کی کوئی طاقت نہ ہوگی۔ جس کو قرض لینا ہے وہ قرض لے۔ غریب سے غریب شخص کو بھی ایک ایسا ثبوت ایک عام انسانی طریقے سے ہاتھ آنے والا ہے، جس ثبوت کے وسیلے سے وہ عام ا؟دمی دودھ بیچنے والا ہوسکتا ہے، چائے فروش ہوسکتا ہے، یا نائی ہو یا اخبار بیچنے والا۔ چھوٹے سے چھوٹا شخص بھی اپنی چیزوں کے ساتھ کام کرسکتا ہے اور اس لئے جی ایس ٹی کی سب سے بڑی طاقت ہے ٹکنالوجی اور اس کی وجہ سے حقیقی اعداد وشمار اور جب حقیقی اعداد وشمار دستیاب ہوں گے تو متعلقہ شخص کو اپنی طاقت اپنی اہلیت کا ثبوت پیش کرنے میں کوئی دقت نہیں آئے گی اور اسے اپنا مطلوبہ فائدہ حاصل ہوسکے گا۔ یہی سبب ہے کہ عام طور سے جب دولت دستیاب ہوتی ہے تو اپنے ساتھ مقابلے بھی لاتی ہے۔ مینوفیکچرنگ کے شعبے میں مقابلے کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ مینوفیکچرنگ کے مقابلے بڑھنے سے اقتصادی نظام کو رفتار ملتی ہے اور نئے لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس نظام کی وجہ سے پیسے کا بہاؤ بڑھنے کے نتیجے میں روزگار کے امکانات بھی بڑھتے ہیں جس کے تحت ہمیں پورے مواقع حاصل ہونے والے ہیں۔ ہمارے ملک میں سرمایہ کاری بڑھانے کے نظریے سے جی ایس ڈی پی کا تناسب ہمیشہ ایک سوالیہ نشان کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ اب اس نئے نظام کی وجہ سے یہ سوالیہ نشان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ اکثر ہم لوگ بدعنوانیوں کے خلاف بہت کچھ کہتے ہیں لیکن بدعنوانیوں کو ختم کرنے کے لئے نظاموں کو بھی اتنا ہی مضبوط بنانا پڑتا ہے۔ اس اعتبار سے اتنی بڑی باتیں نہیں چل سکتیں کہ انسان اچھا ہی کرے گا۔

اگر نظام ٹھیک ہو تو غلط انسان کو بھی ٹھیک ٹھاک رہنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جی ایس ٹی کی وجہ سے ٹیکس چوری کی جو باتیں ہوتی ہیں، ہمارے یہاں کچا بل اور پکا بل، جو ہمارے کاروباریوں میں بہت مقبول ہے۔ لیکن جی ایس ٹی کی وجہ سے ہر شخص خود ہی پکے بل کی طرف راغب ہوگا۔ بالفرض ہمارا ہیلتھ انشورنس ہے تو ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم اپنے سارے میڈیکل بل سنبھال کر رکھتے ہیں انہیں اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتے، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ان سارے کاغذات کے ساتھ ہی ہم اپنا بل پیش کرپائیں گے، تبھی ہمیں پیسہ مل سکے گا لیکن جی ایس ٹی میں ایسا نظام وضع کیا گیا ہے کہ جو شخص بھی اپنے بل پیش کرے گا اس کی خریدی ہوئی تمام چیزوں کا ریفنڈ مل جائے گا۔ اسی لئے یہ کچے پکے کی دنیا ایک طرح سے کالے دھن کو بھی فعال بناتی ہے۔ اس پر پوری طرح سے روک لگ سکے گی۔ اس طرح سے بدعنوانی سے کالے دھن کو ختم کرنے میں یہ نظام کام آنے والا ہے۔ اب ہم اسی سمت میں کوشش کر رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس سے فائدہ ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ٹیکس کی وصولی کے کام میں بہت بڑی فوج لگی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے ٹیکس کی وصولی میں لاگت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس نظام کے آن لائن ہونے کی وجہ سے اور اس کے ٹکنالوجی پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہمارے ٹیکس وصولی کی لاگت میں بہت کمی آئے گی وہ پیسہ ملک کے غریب لوگوں کی ترقی اور فلاح کے لئے کام آئے گا۔ یہ آج ایک ایسے نظام کو فروغ دیا جارہا ہے جس کی وجہ سے بدعنوانی بالکل ہی ختم ہوجائے گی۔ اس کی وجہ سے بھی ہمیں ملک کو بدعنوانی سے پاک بنانے کا موقع ملے گا۔ یہاں اعداد وشمار کو مربوط کیا جانے والا ہے۔ یعنی کچے مال سے لے کر ا؟خری چیز تک ہر جگہ پر وہ کہیں نہ کہیں آن لائن رجسٹر ہوکر آگے جائے گا اور اسی لئے نیچرل کراس میں کراس چیکنگ کا نظام قائم کیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں اگر کوئی چوری ہوگی تو فوری طور سے پکڑ لی جائے گی۔ کہیں بھی کچھ غلط ہوگا تو فوراً معلوم ہو جائے گا۔ یہ ہمارے لئے انتہائی فائدہ مند ہوگا۔ اس ایک ایسے نظام کو فروغ دیا جارہا ہے جس میں ٹیکس دہندہ اور ٹیکس وصول کرنے والے کے درمیان ہیومن انٹرفیس نہ کے برابر ہوگا اور اسی کی سمت میں ہمیں ایک بہت بڑا فائدہ ملنے والا ہے۔ جی ایس ٹی کی وجہ سے ایک طرح سے ٹیکس ادا کرنے والے کا نظام ہی ایسا بن رہا ہے کہ جس میں اس کو ایمانداری سے منافع ہوگا۔ اسے معلوم ہے کہ وہ جتنا دے گا اتنا ملنے والا ہے۔ اس طرح ہم کالے دھن کو روکنے میں کامیاب ہوں گے۔ علاوہ ازیں ریاست اور مرکز میں ٹیکس کے اعداد وشمار بھی ایک ہی جگہ پر دستیاب ہوں گے۔ خواہ رجسٹریشن ہو، ریٹرن ہو یا ٹیکس کی ادائیگی کا ڈجیٹل نظام۔ یہ ساری چیزیں آن لائن ہونے کے سبب ہمیں شفافیت کا ایک بہت بڑا پلیٹ فارم دستیاب ہوسکے گا۔

اس سے آگے کی باتیں ارون جیٹلی جی بتائیں گے۔ آج جو لوگ ہمارے لئے ووٹ کریں گے، اس مقدس کام کو پورا کریں گے، سو تو ہوگا ہی لیکن ضروری یہ ہوگا کہ سولہ سے زیادہ ریاستیں جلد از جلد اس کا نفاذ کریں۔

ہمیں اس کے بعد بھی متعدد ضابطے مکمل کرنے ہوں گے۔ سینٹرل جی ایس ٹی، انٹگریٹیڈ جی ایس ٹی قوانین ہمیں منظور کرنے ہوں گے۔ آج ان تمام کاموں کے لئے ایک دروازہ کھلنے والا ہے۔ ہم ایک مبارک آغاز کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ آنے والے دنوں میں ہمیں اس کا فائدہ ملے گا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہمیں نئے موضوع کے بارے میں لوگوں کو تعلیم وتربیت بھی دینی ہوتی ہے۔ آئی ٹی تیاری کی ضرورت ہے۔ قانونی تیاری کی ضرورت ہے۔ ٹیکس حکام اور افسران کی تیاری کی ضرورت ہے۔ ہمیں صارف کو تیار کرنے کے لئے بھی کام کرنا پڑے گا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جمہوریت کے جو ماہر ملک مانے جاتے ہیں جو جمہوریت کے اعتبار سے دنیا کو نصیحت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں ایسے ملکوں میں بھی فائنس بل جیسے اہم معاملات کو طے کرپانا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہ ہندوستان ہے، یہ ہندوستان کی جمہوریت ہے، یہ ہندوستان کے لوگوں کی پختہ کاری ہے، یہ ہندوستان کے لیڈروں کی دوراندیشی ہے کہ آج ہم نظریاتی اختلافات اور سیاسی پس منظر الگ ہونے کے بعد بھی اس عظیم کام کو ایک آواز ہوکر کر رہے ہیں۔

یہ اپنے آپ میں ہندوستانی جمہوریت کی بہت بڑی طاقت ہے۔ آج ہم اس ایوان میں انتہائی فخر کے ساتھ سبھی سیاسی پارٹیوں کا احترام کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ 100 ہفتے مکمل کرنے کے بعد اس سرکار نے اس ایوان میں 100 سے زیادہ قانون منظور کئے اور یہی اس ایوان کی طاقت ہے۔ اس سلسلے میں سبھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ میں نے آل پارٹی میٹنگ میں بھی یہ بات کہی تھی کہ اس کا کریڈیٹ سب کو جاتا ہے۔ سبھی راج نیتک پارٹیوں کو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اس سمت میں مسلسل کوششیں کی ہیں ان سب کو جاتا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا ہے۔

میں اسپیکر محترمہ اور اس ایوان کا بہت ممنون ہوں کہ مجھے یہاں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔ میں آپ سب کو نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

راشٹرپتی بھون پر حال ہی میں جاری کی گئی کتابیں

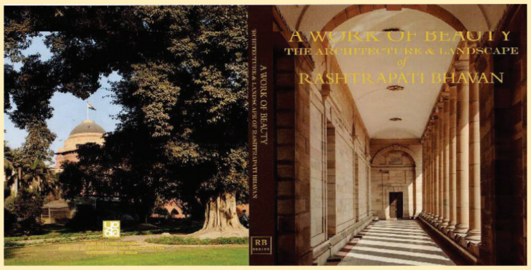

(i) اے ورک آف بیوٹی: دی آرکٹیکچر اینڈ لینڈ اسکیپ آف دی راشٹرپتی بھون

اس ضخیم جلد میں راشٹرپتی بھون کے فن تعمیر اور اس کے ارد گرد خوب صورت مناظر کی تفصیل پیش کی گئی ہے جس میں 1911 میں برطانوی ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ سے دہلی منتقلی کے بعد گورنم،ٹ ہاؤس کی تعمیر کی تفصیل بھی شامل ہے۔

(ii) فرسٹ گارڈن آف دی ری پبلک نیچر دی پریسیڈنٹس اسٹیٹ

اس کتاب میں جمہوریہ کے پہلے باغ کی تفصیل دی گئی ہے جس میں ہر موسم میں یہاں اگنے والے پیڑ پودوں کے بارے میں معلومات درج ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح اپنے جائے مقام کو سجانا، سنوارنا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں چرند پرند نے کس طرح سے راشٹرپتی بھون کو اپنا مسکن بنالیا ہے اور ان کو آج کن پریشانیوں کا سامنا ہے۔

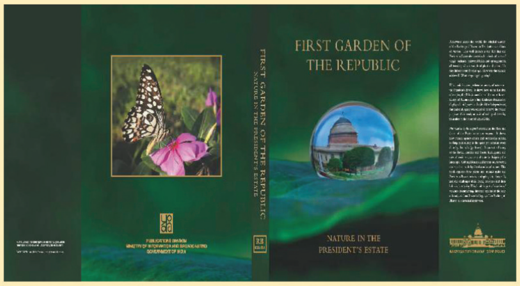

(iii) اراؤنڈ انڈیاز فرسٹ ٹیبل: ڈائیننگ اینڈ انٹرٹیننگ ایٹ دی راشٹرپتی بھون

اس جلد میں راشٹرپتی بھون میں برطانوی کھانوں اور تفریح کی تفصیل درج ہے۔ اس میں برطانوی راج میں فرانسیسی کھانے پیش کئے جانے کا ذکر ہے اور نوخیز جمہوریہ کے زمانے کا بھی جب پیش کئے جانے والے کھانوں میں مغربی رجحان ختم ہو رہا تھا اور اس کی جگہ ہندوستانی دسترخوان نے لے لی تھی۔ قارئین کو ہندوستان کی اولین میز پر پیش کئے جانے والے کھانوں کی تیاری سے متعلق پس منظر سے آگاہ کرایا گیا ہے جو متعدد کامیاب سفارت خانوں کی تیاری سے متعلق پس منظر سے آگاہ کرایا گیا ہے جو متعدد کامیاب سفارت کاری اجلاس کی گواہ ہے۔

(iv) آرٹ و انٹیریئر آف راشٹرپتی بھون

اس جلد میں راشٹرپتی بھون کے وسیع و عریض کمروں و برآمدوں میں آویزاں مختلف فنون کے نمونوں اور دستاویزات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ ان تفصیلات میں طرحدار فرنیچر اور شاہکار تصویروں کی مفصل تشریح اور تاریخ سے متعلق معلومات شامل ہے۔ اس جلد میں اس عظیم عمارت کے پارچہ جات، بڑی بڑی تصویروں (مورال) اور قالینوں کے بارے میں دلچسپ معلومات، فن پاروں کی تصاویر کے ساتھ ان کی تشریح ان کی تیاری کے منصوبے، نایاب دستاویزات سے متعلق معلومات سے قارئین کو راشٹرپتی بھون کے داخلی ڈیزائن سے متعارف ہوئے اور اس سے محظوظ ہونے کا موقع ملتا ہے۔

(v) ڈسکوری میگنفشنٹ ورلڈ آف راشٹرپتی بھون

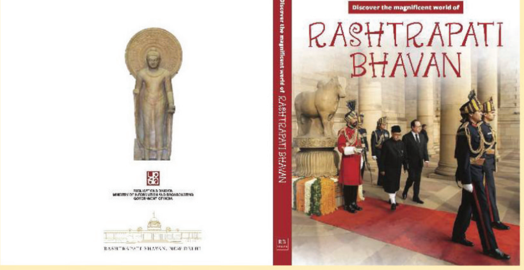

اس چھوٹی جلد کا مقصد بچوں کو راشٹرپتی بھون کی دلچسپ کہانی سے متعارف کرانا ہے۔ یہ کس طرح تعمیر ہوا، کیا کیا واقعات رونما ہوئے اور قوم اور ان لوگوں کی زندگی میں اس کا کیا کردار رہا جو وہاں مقیم رہے اور جنہوں نے وہاں کام کیا۔ ان واقعات اور دلفریب حقائق کا ذکر دلچسپ کہانیوں کی شکل میں کیا گیا ہے۔

☆☆☆

YOJANA (URDU) Price 22/=
RNI NO.27032/81 September 2016 Annual Subscription Rs 230/=
VOL. 36 NO. 6 No. Page 56

عورتوں کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں وزیر اعظم کے اقدامات

☆حکومت غریبی ختم کرنے کی غرض سے خواتین کو بااختیار خواتین کی صحت، خواتین کی معاشی خوش حالی اوران کی تندرستی پر زور دے رہی ہے۔

☆حکومت کی طرف سے شروع کی گئی اسکیم ''بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ'' میں عوام کا تعاون طلب کیا گیا ہے۔

☆حکومت کا دعوی ہے کہ ساڑھے تین کروڑ سے زائد خاندان مدرا یوجنا سے مستفید ہوچکے ہیں جن میں سے بیشتر ایسے ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ بنک سے رجوع کیا ہے۔ان میں سے 80فی صد کا تعلق درج فہرست ذاتوں/ درج فہرست قبائل اور دیگر پسماندہ طبقات سے ہے۔ن میں سے بھی 80فی صد خواتین ہیں۔وہ ان لوگوں کی ملک کی معاشی ترقی میں حصہ داری کے خواہاں ہیں۔

☆ترقی کے نظام میں حصہ داری کی غرض سے حکومت نے خواتین کو زچگی پر دی جانے والی چھٹی بڑھا کر 26 ہفتہ کردی ہے تاکہ مائیں اپنے بچوں کی مناسب دیکھ بھال کرسکیں۔

☆ بنکر اور پارچہ جات صنعت میں کام کرنے والے کاریگروں کو اب گزشتہ 100 روپے کے مقابلے 190 روپے ادا کئے جائیں گے جس سے سوت کے شعبے میں خواتین کو فائدہ ہوگا۔

☆ریشم کی پیداوار میں مصروف بنکروں کو اب فی میٹر پیداوار کے لئے 50 روپے اضافی رقم ادا کی جائے گی۔ یہ بھی یقینی بنایا جائے گا کہ یہ اضافہ کاروباریوں یا بچولیوں کی جیبوں میں نہ جاکر آدھار کارڈ کے توسط سے سیدھا بنکروں کے کھاتے میں جمع ہو جو یہ کپڑا تیار کرتے ہیں۔اس سے بنکروں کی حالت مستحکم ہوگی جن میں متعدد خواتین شامل ہیں۔

☆سکنیا سمردھی یوجنا سے لاکھوں خاندان مستفید ہوئے ہیں۔اس اسکیم کا فائدہ بڑے ہونے پر بیٹیوں دیا جاسکتا ہے۔

☆اندردھنش ٹیکا کرن یوجنا سے خواتین کو دو فائدے ملے ہیں۔معاشی استحکام اور خواتین کی تندرستی کا استحکام۔

☆غریب خاندانوں کو ایل پی جی کنکشن دینے کے لئے اقدامات شروع کردیئے گئے ہیں۔

☆چولہے سے خارج ہونے والے دھوئیں سے نجات دلانے کی غرض سے شروع کی گئی ''اجولا'' اسکیم سے غریب خواتین کو استحکام نصیب ہوا ہے۔تین برس کے اندر پانچ کروڑ خاندانوں کو گیس کنکشن فراہم کرنے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔گزشتہ 100 دنوں میں تقریباً 50 لاکھ گیس کنکشن پہلے ہی جاری کئے جاچکے ہیں۔

ISSN 0971. 8338

Printed and Published by ***Dr. Sadhana Rout***, ADG & Head on behalf of Publications Division, Ministry of I&B, Govt. of India, printed at Akashdeep Printers 20 Ansari Road,Daryaganj, New Delhi
published at Publications Division,Soochna Bhavan,C.G.O.Complex, New Delhi-110003 *Editor:* ***Dr Abrar Rahmani***